Fiction Shelve

پراسراریت کا پردہ

(از عبدلاحد علی)

باب اول: اِک تنہا زندگی

اِک تنہا زندگی

(بقلم عبدلاحد علی)

بغیر چاند کے اندھیری رات

بغیر ستاروں سے بھرا آسمان

بغیر لہروں سے بہتا سمندر

بغیر سہارے کے تنہا لڑکی جوان

ننگے پیروں سے بھاگتی لڑکی

ڈراونے شخص سے پیچھے ہٹتی

ہاتھوں میں کیپسول لیے تھا وہ

جانے کون عجیب شخص تھا وہ

Fiction Shelve

پراسراریت کا پردہ
(اک تنہا زندگی)

اسے دیکھنے کے لیے مرتی تھی وہ

پاتی تھی اُدھر درندے کو وہ

پتھر سے ٹکراتے پکارتی تھی وہ

زمین سے لگتے چیختی تھی وہ

کون ہو تم اور چاہتے کیا ہو

مارتا تھا لات، شخص تھا جو

اک تیز روشنی کھلتی ہے جیسے زمین پر بجلی چمکتی ہے

پھر پردہ کھلنے لگتا ہے،اور زمین چمکنے لگتی ہے

اک تیز رشنی چھاتی ہے، چمک عروج دکھاتی ہے

آنکھ کھولتے دیکھتی ہے وہ،اپنے کمرے میں واقع تھی وہ

اک آرام دہ صبح ہی تھی وہ، لیکن آغاز خوفناک تھا جو وہ

★★★★★★★★

سورج کی سنہری روشنی بڑی کھڑکی سے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

کمرہ صاف ستھرا اور کشادہ تھا جس کے ایک کونے میں دو بیڈ اور دوسرے میں بک ٹری موجود تھا۔

تیسرے کونے میں ایک دروازہ جبکہ چوتھے کونے میں ایک کرسی اور میز تھی، جو بیڈ کے پہلو میں واقع تھیں۔ دونوں بیڈ کو سائیڈ ٹیبل سے الگ کیا گیا تھا۔

مشعل کھڑکی کے پاس ایک بیڈ پر لیٹی تھی اور اس کی بھوری آنکھیں سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ اس کے سیدھے اور لمبے بھورے بال بیڈ کے ساتھ آبشار کی طرح لٹکے ہوئے تھے۔

وہ اٹھی، اپنے بالوں کو کلپ سے باندھا، اور بیڈ کے پہلو سے ایک کرسی کھینچی۔

بیٹھ کر کچھ آن لائن تلاش کرنے کے لیے اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا۔ میز کی دراز سے ایک چسپاں نوٹ نکالا، کچھ پوائنٹ لکھے اور ایک فولڈر میں رکھ دیے جوان

جیسے نوٹس سے بھرا تھا۔جب وہ کرسی سے اٹھی تو سورج کی کرنیں اسکی نازک، ملائم جلد سے دور ہٹ چکی تھیں۔

اس کی نظر دیوار کی گھڑی پر پڑی جس کی سوئی 11 بجا رہی تھی۔ نظر گھڑی سے ٹکراتے ہی اسکے سرخ گلابی ہونٹ بھر بھرائے اور وہ کچن کی اور لپکی۔

اس کے گاؤں، پھنڈر ویلی میں بہار آچکی تھی۔گلاب اور چمبیلی کی خوشگوار خوشبوؤں سے فضا مہک رہی تھی۔

گلگت شہر سے 184 کلومیٹر کے فاصلے پر، پہاڑوں کے دامن میں واقع یہ انچائی خطہ وادی پھنڈر، صرف چند لوگوں کا گھر تھا۔

جب مشعل کچن کے کیبنٹ سے برتن نکال رہی تھی،اس نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی جو جلد ہی غائب ہوگئی۔

چہرہ کے تاثرات چھپاتے وہ دروازے پر گئی، کنڈی کھولی اور سیاہ گھونگھرالے بالوں والی ایک لڑکی، نیوی بلیو ٹریک سوٹ میں ملبوس، لکڑی کے کیبن میں داخل ہوئی

اور کچن کی طرف بھاگی۔

لڑکی نے کچن کے اسٹول پر بیٹھ کر پانی کا گلاس پیا اور دھیرے دھیرے سانس خارج کرتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔

کچن کے ساتھ چھوٹے سا لوینگ روم تھا جسکے صوفے پر بیٹھتے اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

مشی! کم از کم کسی ایسے شخص کا استقبال کرنے کا آداب ہونا چاہیے جو دن بھر کی محنت و تھکن کے بعد گھر لوٹ رہا ہو۔ زرنش نے اپنے پاس بیٹھی مشعل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ مشعل کو پیار سے 'مشی' کہتی تھی اور مشعل نے اس کا نام 'زری' رکھا تھا۔

"کیا مجھے گلدستہ منگوانا چاہیے؟" مشی نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔ "پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنی چاہیں؟ ریڈ کارپٹ رول کرنا چاہیے؟ کیوں کہ میری روم میٹ کو ان پہاڑوں میں تھوڑی سی ہائکنگ کے بعد شاندار استقبال کی توقع ہے۔ رائٹ؟

کہتی ہو تو میں دروازے پر استقبال کے لیے تیل بھی ڈال دیتی تا کہ تمہارے پیر اس گھر کے لیے رحمت بنیں؟ ہونہہ،۔۔اب اٹھو اور کچن سے کھانا لے کر ٹھونسو۔"

زری کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور مشورے پر عمل کرتے ہوئے کھانا لا کر کھانے لگی۔ وہ اب اس کے برابر بیٹھی تھی۔

لاکھ درجے کڑوی سہی۔ لیکن اس کا خیال تو رکھتی۔۔بے شک چھپ کر ہی سہی۔

زری نے گفتگو جاری کرتے اپنا فون نکالا اور مشی کو کچھ تصاویر دکھائیں جو اس نے ہائیکنگ کے دوران لی تھیں۔

"کیا تم جانتی ہو کہ دنیا کا سب سے ذہین جانور کون سا سمجھا جاتا ہے؟" زری نے تصاویر دکھاتے ہوئے شائستگی سے پوچھا۔

مشی مختصر وقفہ کے بعد بولی، "کیا مجھے جاننے کی ضرورت ہے؟۔۔۔ جبکہ میرے قریب ہر وقت ایک عدد جانور موجود ہے۔" زری کے اگلے الفاظ گلے میں ہی اٹک گئے۔ وہ محظ ہونٹوں تلے دانت ہی پیس سکی۔

★★★★★★★★

آسمان سرمئی چادھر اوڑھے سورج کو الوداع کر رہا تھا جب زری کیبن کے باغیچہ میں بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ اچانک پیچھے سے جھٹکا دیتے مشی نے اسے چونکایا اور پوچھا کہ اسے کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟

زری نے ""کچھ نہیں"" کے ساتھ جواب دیا، لیکن پھر اعتراف کیا،

""کبھی کبھی، مجھے لگتا ہے کہ ہم نے اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر غلطی کی ہے۔""

مشی کا غصہ بھڑک اٹھا، لال بھبو کا چہرہ لیے پیچھے مڑی۔ اندر جاتے ہی وہ سامان باندھنے لگی۔

زری نے پریشان ہوتے پوچھا، ""کہیں جا رہی ہو؟""

""ہاں۔ ہم اس جہنم میں واپس جا رہے ہیں جہاں سے ہم نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی، اسی جگہ واپس جا رہے ہیں جہاں ہماری آزادی کو گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اس جگہ جہاں ہم خوشی سے رہ نہیں سکتیں۔""

مشی ایک سانس میں کہتے بیڈ پر بیٹھ گئی اور کپڑوں سے بھرے سوٹ کیس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس نے زری کی طرف سوالیہ نظریں موڑیں اور الفاظ پیستے پوچھا،

”تم کیا چاہتی ہو؟ تم نے یہ راستہ کیوں چنا؟ جب تمہیں اچھے سے معلوم تھا کہ یہ کیسا ہو گا۔“

الفاظ ڈھونڈنے سے قاصر، زری صرف ہکلا سکی، ”میں...“

مشی اکڑ کر کھڑی ہوئی اور اعلانیہ کہا،

”تمہیں ابھی فیصلہ کرنا ہو گا۔ اسی وقت۔ یہ جگہ یا وہ۔ میں ہر بار اس سے نہیں گزر سکتی۔“

صورت حال کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے زری نے معذرت کی اور معاوضہ کے عیوض مشی کا پسندیدہ ڈیزرٹ کریپ بنا لائی۔ زری اچھی طرح جانتی تھی، مشی کو کیسے آگ بگولہ کرنا ہے اور پھر کیسے اُسے خوش۔

پھنڈر میں موسم خوشگوار ہو رہا تھا اور لوگ اپنے وزنی اوور کوٹ اتار رہے تھے۔

زری دندناتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی جب مشی کچن میں کھانے کے لیے پیاز کاٹ رہی تھی۔

"مشی! مشی کہاں ہو؟" زری جوش سے چلائی۔

مشی کپڑے سے آنکھوں میں پانی صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ آنسو تھے یا صرف پانی؟

یقیناً آنسو۔ پیاز تو محض آنکھوں سے پانی خارج کرتے جبکہ دکھ، تکلیف اور اذیتیں آنسو جاری کرتیں ہیں۔

وہ آنسو کس لئے تھے؟ اس سے پہلے کہ وہ سوچتی، زری اس کے عین سامنے موجود تھی۔ اس نے اسے مضبوطی سے گلے لگایا۔

"مشی مشی تھینک یو، تھینک یو۔ اوہ، مجھے نہیں سمجھ آ رہی کہ میں کیا کہوں۔ میں پاگل ہو رہی ہوں۔۔ آہ، یہ کیسے ہو گیا۔"

مشی نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”ہوا کیا ہے؟“

”تم نے مجھے میرے ہائیکنگ کے ولاگز کو کچھ لوگوں کو بیجھے تھا۔مجھے ان کی جانب سے میل آئی ہے۔مجھے J.D. گروپ اسپانسر کر رہا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف شہروں میں شوٹنگ کروں۔فائنلی میری وہ بورنگ افلیلیت مارکٹنگ سے جان چھوٹے گی۔ لیکن۔۔یہ۔۔۔یہ تو میرے لیے ہے۔۔تم؟۔۔۔کیسے یہاں۔۔۔ کتنی بے وقوف ہوں ناں میں بھی۔ بھول ہی گئی۔ میں ابھی انہیں منع کرتی۔“

مشی نے چیخ کر کہا، ”ایڈیٹ! میں تمہارا قتل کر دوں گی اگر تم نے ایسی کوئی بھی بیوقوفی کی تو۔ تم جا رہی ہو، بس!۔۔میں اکیلے رہ سکتی ہوں۔میں مشعل ہوں، زری نہیں! تنہا محاز سر کرنے آتے ہیں مجھے۔ خیر، مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ روز اس منحوس چہرے کو دیکھنا نہیں پڑے گا۔اللہ نے میری دعائیں سن ہی لی۔“

”کمینی!“ زری چیخ کر مشی پر لپکی اور گھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔

★★★★★★★★

"تو مجھے کتنے دن اس بدصورت شکل کو مزید سہنا پڑے گا؟" مشی نے اپنے ہاتھوں میں چپس لیے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"دو ہفتے انتظار کرو، پھر تم مجھے یاد کرکے روگی۔" زری نے قدرے منتشر نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا اور پوچھا،

"کیا ہمیں فش ٹراؤٹ ریور کے پاس پہاڑ پر جانا چاہیے؟"

مشی نے ایک ابرو اٹھائی۔ "فش وٹ؟ اب مہربانی مجھے یہ نہ کہہ دینا کہ تمہارا جانوروں کا جنون آبی علاقوں میں بھی غوطہ لگا چکا اور کسی جگہ کو اسی سے مسلک کر رہی۔"

"اوہ، پڑھی لکھی جاہل، اسے دیکھو۔ ارے یہ پہاڑوں اور فیروزی رنگت کے دریا کی دلکش زمین ہے اور ہمارے قریب موجود ہے۔ بہت مزے کی جگہ ہے، چلو چلتے ہیں۔"

مشی اسے جو بھی، جیسا بھی بولتی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ اس ساتھی کو بھرپور یاد

کرنے والی ہے۔اس نے صرف اتنا ہی کہا۔" پیچھے ہٹو، میرے خوابوں کو ڈراؤنا نہ بناؤ۔ ہم کل جا رہے ہیں۔ ابھی سو جاؤ۔

★★★★★★★★

اگلے دن، مشی نیوی بلیو جینز، اور گرے شرٹ میں ملبوس تھی۔اس نے سیاہ چمڑے کی جیکٹ اپنے گلے میں لٹکا رکھی تھی۔اس کے کالے جوتے بیرونی سرگرمیوں کے لیے بہترین تھے۔

زری نے ایک آرام دہ سرمئی رنگ کا اونی سویٹر پہنا تھا اور گلے میں سرخ کڑھائی والی شال تھی۔اس کے لانگ شوز اونچی گھاس میں سے چلنے کے لیے موزوں تھے۔ جیسے ہی وہ اپنے سفر پر روانہ ہوئیں، سورج کی روشنی کی سنہری چادر پورے شہر کو گرم جوشی سے نہلا رہی تھی۔

زری، کیا ہم یہاں تیرنے آئے ہیں یا صرف پانی کو گھورنے ؟" مشی نے سانس بھرتے ہوئے پوچھا۔

''ہم یہاں دریا کے کنارے پہاڑ سے کودنے آئے ہیں۔''

مشی نے حیرت سے دیکھا اور جواب دیا،

"اچھا، ابھی کچھ دن ہیں۔ کسی ہسپتال کی مینٹل واڈ میں داخل کرا سکتے تمہیں۔ امید ہے بہتری آجائے گی۔ کیونکہ یہ کوئی نارمل خیال نہیں۔"

زری نے ہنستے ہوئے اسے چٹان کی طرف جانے والے ٹریک کے طرف اشارہ

کیا اور خاموشی سے چلنے لگیں۔ ناہموار راستہ کافی دشوار تھا، لیکن وہ چوٹی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں۔

نیچے گہرائی میں موجود وادی، سورج کی روشنی میں موتی کی طرح چمک رہی تھی۔ دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے گھر بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

قدرت کا پرسکون ماحول زری کی پرجوش شخصیت کے بالکل برعکس تھا۔

پانی میں چھلانگ لگانے سے پہلے انہوں نے اس منظر سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ

کیا۔ہائیک سے تھکان زدہ، وہ گپ شپ کرنے لگیں۔

مشی نے اپنی جیکٹ اپنے قریب رکھی۔ مناظر کی دلکشی میں ڈوبنے اور آرام کے لیے پیچھے ایک چٹان پر ٹیک لگائی۔ خاموشی اس وقت ٹوٹی جب زری نے پوچھا، " کیا تم پڑھائی میں واپس جانے کا سوچ رہی ہو، یا ہمیشہ کے لیے گوار ہی رہو گی؟"

" جانتی ہو کہ میرے پاس تم سے زیادہ اسناد ہیں اور ادب، تاریخ اور سائنس کا علم بھی ہے۔

میری History, Science & Literature میں چار سالہ بیچلر ڈگری نے مجھے سب کچھ سیکھا رکھا ہے جس کی مجھے زندگی میں ضرورت ہے۔ میرا ریسرچ ورک مجھے روزی فراہم کرتا ہے۔ مجھے کسی باس کے لیے 9 سے 5 کی نوکری کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی شرائط پر زندگی گزارتی ہوں اور تم سے بہتر ہی گزارتی ہوں۔"

زری نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

شاید وہ اپنی تعلیم کے بارے میں سوچ رہی تھی جو ادھوری ہی رہ گئ۔ یا شاید اپنے گھر والوں کو دوبارہ یاد کر رہی تھی جن کو تنہا چھوڑ کر وہ یہاں آئی تھی۔

ان مسائل کے باوجود، اس نے زندگی سے کبھی کوئی غلا نہیں کیا۔ نہ ہی مشی سے کبھی شکایت کی۔

وہ جانتی تھی کہ وہ ہر خیال میں اسے شریق نہیں کر سکتی، کیونکہ ہر کوئی اس تکلیف کو نہیں سمجھ سکتا جس سے آپ گزرتے ہیں۔

پرامن ماحول زیادہ دیر تک پرسکون نہ رہ سکا۔ مشی اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ٹھٹک کر رکی۔ اس کی نظر زری کے کندھے سے پہاڑ کی طرف مری۔ آنکھوں کی پتلیاں پھیلنے لگیں۔ اچانک چیخ کر زری کو اپنے قریب کیا اور پانی میں چھلانگ سے ماری۔

سورج اب تک اس پانی کو گرم کرنے سے قاصر تھا۔ موسم گرما کا آغاز ہی تھا۔ اس لیے سویمینگ کا منصوبہ پانی میں ہی ڈوب گیا۔ وہ نچرتے کپڑوں میں پانی سے باہر

نکلیں تو پر سکون دھوپ میں خشک ہونے کی غرض سے لیٹ گئیں۔

"یہ میری کل زندگی کا سب سے بڑا پاگل پنا تھا اور ایک بار پھر تمہارے ہمراہ۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ تم قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے خیالات میں گم رہتی ہو۔ مجھے کبھی معلوم نہ تھا کہ میری ادو یچر س روح تم میں جا گھسی ہے۔ لیکن ایک منٹ ٹھہرو، جب ڈرنے کی کوئی چیز نہیں تھی تو تم چیخ کیوں رہی تھی؟"

مشی نے تناؤ زدہ چہرہ کے ساتھ اس کو دیکھا "میں صرف تمہیں چونکانا چاہتی تھی۔ اب، چارکول اور سیخ پکڑو، ہم سیخ کباب بنا رہے ہیں۔

وہ دن بھر کی تفریح کے بعد اس دن گھر دیر سے لوٹیں۔

مشی قدرے پریشان اور تھکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ حتا کہ اس نے اپنی گم شدہ جیکٹ کو بھی نہ دیکھا جب تک زری نے اس کا پوچھا نہ۔

وہ عموماً کم ہی کپڑے دوبارہ زیب تن کرتی اس لیے اُسے خاصی پرواہ نہ تھی۔ وہ بس آراپ کرنا چاہتے تھی۔

زری اپنے اگلے بڑے ایڈونچر سے پہلے، کچھ آخری لمحات اس کے ساتھ بیتانے سے بے حد خوش تھی۔

وہ ایڈونچر جو اس کی زندگی بدلنے والا تھا۔

★★★★★★★★

"مشی، کیا پڑھ رہی ہو؟ زری نے تازہ چیری کھاتے ہوئے پوچھا جو وہ وادی سے اس روز توڑ کر لائی تھیں۔" پلیز یہ مت بتانا کہ تم رات کے اس پہر جنوں کی کہانیاں پڑھ رہی ہو۔"

مشی نے تحمل سے جواب دیا،

"میں ایک فکشنل کہانی پڑھ رہی ہوں۔ یہ کہانی انسان اور بھیڑیے کے رویوں کے مطلق ہے۔ کیسے یہ خیوان انسان سے بہتر ہو جاتے اور کیسے انسان بھیڑیوں سے بدتر۔"

زری بغور مشی کو دیکھ رہی تھی جیسے سالوں بعد ماضی کا عکس دکھا ہو۔

’’میں فضول میں گھومنا، بکواس کرنا اور گپے ہانکنا، یہ سب نہیں کر سکتی۔ میرے لیے قدرت میں بیٹھ کر سکون سے چند اچھی کتابیں پڑھنا اور زندگی سے لطف اندوز ہونا بہتر ہے۔‘‘

’’ہاں جھولنے والی کرسی پر بیٹھ کر کسی بوڑھی عورت کی طرح مرنے کا انتظار کرنا۔ کتنی بکواس ہوگی ایسی زندگی۔ زندگی ایڈونچر سے بھرپور ہونی چاہیے۔۔ جو آپ کو زندہ ہونے کا یقین دلائے۔ جیسا کہ میڈیسن بیئر نے ایک بار کہا تھا، ’میں نے کبھی خود کو اتنا زندہ محسوس نہیں کیا‘۔ یہ ہمارے لیے ہے، باہر نکلیں، دریافت کریں، زندہ محسوس کریں اور زندگی کو حقیقی معنوں میں جانیں۔‘‘

مشی نے اپنی کتاب بند کی اور لیمپ بند کرتے کہا،

’’بہتر ہے کہ تم سو جاؤ۔ قدرت سے ہماری مشترکہ محبت نے ہمیں قریب لایا، لیکن تمہاری دیوانہ وار مہم جوئی مجھے کبھی بھی متاثر نہیں کرتی۔ مجھے آزاد رہنا اور قدرت سے لطف اندوز ہونا پسند ہے، لیکن میں اس زندگی کے ساتھ کبھی غیر ضروری خطرہ مول نہیں لے سکتی، اور کوئی بھی میرا خیال نہیں بدل سکتا۔ خصوصاً

اس کے بعد جو ماضی میں ہوا۔

شب بخیر۔

★★★★★★★★

پرندوں کی چہچاہٹ اس روز سے قبل، زری کو کبھی بیزار نہ لگی، جس دن اسے روانگی کے لیے اٹھنا تھا۔ وہ جا رہی تھی لیکن کب تک؟ اس کا علم اسے خود نہ تھا۔

تلے ہوئے انڈوں کی خوشبو پورے کیبن میں پھیل رہی تھی۔ وہ کچن میں داخل ہوئی تو مشی کو ناشتہ تیار کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ جس چیز نے اسے مزید چونکا دیا وہ مشی کا لباس تھا۔

ایک جامنی رنگ کا گاؤن جو خوبصورتی سے اس کے پاؤں کو چھو رہا تھا۔ مشی اس میں شاندار لگ رہی تھی۔ زری نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے، بالواسطہ طور پر تبصرہ کیا۔

"کچھ لوگ کسی کے جانے سے بہت خوش نظر آتے ہیں"۔

مشی نے اس کو گھورا، "اوہ اچھا، چلو! ایک تو میں تمہارے لیے صبح سویرے جلدی اٹھی اور تم الٹا مجھے ہی باتیں سنا رہی ہو؟۔"

زری نے اثبات میں سر ہلا کر پوچھا، "ٹھیک ہے، شکریہ ! لیکن تم نے ایسے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں؟"

"تمہیں جلد پتہ چل جائے گا۔ لیکن ابھی کے لیے، تیار ہو جاؤ، تمہاری فلائٹ شام 4 بجے ہے، ہمیں 1 بجے تک گلگت پہنچنا ہے۔"

زری سرمئی رنگ کے ٹریک سوٹ میں ملبوس سیاہ سفری بیگ اپنے کاندھوں سے لٹکائے، کیبن سے نکلی۔

وہ بذریعہ پرواز اسلام آباد جا رہی تھیں، جہاں سے ایک اور پرواز اسے سوئٹزرلینڈ لے جائے گی، جو وسطی یورپ کا ایک پہاڑی ملک ہے جو اپنے قدرتی حسن اور خوبصورتی کے لیے مشہور ہے۔

مشی نے اپنے پرانے لیکن اچھی طرح سے رکھے ہوئے شیورلیٹ پک اپ ٹرک کو

ناہموار علاقے جانے کے لیے نکالا۔ سٹارٹ کرنے کے لیے اگنیشن کی چابی موڑی جب زری گاڑی میں بیٹھی۔ اس کا دل جوش اور جذبات دونوں سے بھاری تھا۔

اس کے خواب افق پر نظر آرہے تھے۔

آنکھوں میں آنسو لیے، انہوں نے گلگت کا خاموش سفر شروع کیا۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے موسم خوشگوار ہو گیا اور علاقہ بادلوں سے ڈھک گیا۔

زری نے ایک سوال کے ساتھ ہوا میں معلق خاموشی کو توڑنے کا فیصلہ کیا۔

"تو اب بتاؤ، کیا وجہ ہے کہ تم میرے ساتھ اس طرح گلگت جا رہی ہو؟"

مشی نے اس کی طرف متوجہ ہو کر جذباتی انداز میں جواب دیا،

"کیونکہ میں تمہیں یاد کروں گی اور میں واقعی میں تمہارے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔" اس نے توقف کیا اور مزید کہا، "فکر نہ کرو، میں دکھیانوسی جزباتی فکرے نہیں کہوں گی۔ وہ الفاظ، میں اپنے پیاروں کے لیے محفوظ کر کے رکھوں

گی۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ! میں خود وجہ تلاش کرلوں گی۔اب گلگت پہنچ کر ہی بات ہو گی۔میں تو لگی سونے۔زرے کہتے ہی سیٹ پر لیٹنے لگی۔

البتہ 'پیاروں' کا لفظ مشی کی سماعتوں میں گھونجنے لگا۔اس کے چاہنے والے کون تھے؟وہ کہاں تھے جب اسے ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی؟اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن اُس نے ان کو روکنے کی ہمت کی۔وہ خود کو ٹوٹنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔اسے مضبوط اور پر اعتماد رہنا تھا۔اسے بہت سے سوالوں کے جوابات تلاش کرنے تھے۔۔۔مگر۔۔سوال آخر تھے کیا۔مشی سوچوں میں ڈوبنے لگی،اور خیالات میں گم ہو گئ۔

اسے اچانک ایک زوردار جھٹکا محسوس ہوا اور ایک شور سنائی دیا۔

صنوبر کا درخت اور ایک گہری وادی اس کی آنکھوں کے سامنے تھی جب اس نے اچانک زبردست بریک لگائی۔

جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ ٹرک اچانک ایک گڑھے سے اچھل گیا تھا جس سے زوردار جھٹکا لگا۔ اگرچہ شاہراہ عام طور پر اچھی طرح سے برقرار تھی اور زیادہ مصروف نہیں تھی، اس خاص گڑھے نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ گہری وادی میں نہیں جا گریں۔

"کیا تم اندھی ہو؟ سڑک کو ٹھیک سے نہیں دیکھ سکتی؟
یہی ہوتا ہے جب تمہیں مفت میں ٹرک تو مل جائے لیکن اسے چلانے کی مہارت نہ ہو"۔ نیند میں خلل کے باعث جاگی زری غصے میں ڈانٹنے لگی اور جمائی لیتی ہوئی پوری طرح آخری بار لڑنے کے لیے اٹھی۔

مشی کو وقت لگا اس شاک سے نکلنے میں۔ وہ کسی چیز کا جواب نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ مرنے کے بالکل قریب تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی زندگی خوفناک واقعوں کی ڈور میں الجھی پڑی ہے۔ ایک کے بعد دوسرا واقعہ۔
(کیوں۔۔۔کیوں میری زندگی صدموں سے بھری ہوئی ہے؟ مجھے کیوں سکون نہیں ملتا؟)

وہ اپنے آپ سے باتوں کی کہکشاں میں گم تھی جب زری نے اسے پھر پکارہ۔

"اہ باجی؟ کدھر؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ مجھے بحفاظت گلگت پہنچا سکو گی؟

میں جانتی ہوں میں مر جاؤں گی، تمہاری ڈرائیونگ سے نہیں تو بھوک سے۔ میں بھوک سے مر رہی ہوں، کم از کم کچھ تو۔۔۔"

اس سے پہلے کے وہ بات مکمل کرتی، مشعل نے قریب ہی ایک ریسٹورنٹ کے سائن بورڈ پر نظر ڈالی اور اسکی جانب موڑ لیا۔

زری بے تابی سے گاڑی سے باہر نکلی اور یاد دلاتے ہوئے بولی،

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں ہم نے ایک رات بغیر کسی سہارے کے سخت سردی میں ایک دوسرے کی حفاظت کرتے ہوئے گزاری تھی۔ ہماری زندگیاں، درحقیقت، وقت کا ایک امتحان ہیں، اور یہ وقت موسم کی طرح بدلتا ہے۔ ایک لمحے ہمارے پاس کچھ نہیں ہوتا، اور اگلے ہی لمحے ہمیں کثرت سے نواز دیا جاتا ہے۔"

زری اپنی زندگی کی کہانی سنانا چاہتی تھی اور اپنی فتح کو دنیا کے ساتھ بانٹنا چاہتی تھی، فخر کے ساتھ چیخنا چاہتی تھی کہ اس نے وہ زندگی حاصل کی جس کی وہ خواہش رکھتی تھی۔

وہ جس ریسٹورنٹ میں داخل ہوئیں وہ کھلی فضا تلے روایتی انداز میں بنایا گیا تھا، جس میں کرسیوں کی بجائے ہر مہمان کیلیئے لکڑی کے بینچ اور بڑی میزیں تھیں۔ یہ دو بڑی شاہراہوں، گلگت چترال روڈ اور کرمبر ریور ویلی روڈ کے سنگم پر واقع تھا۔ یہ سیاحوں کے لیے ایک مقبول چائے کا سٹاپ تھا اور کبھی ان کے لیے پناہ گاہ۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے، بنچوں کی قطاروں اور کالموں نے ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے گرم کشمیری چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے بائیں کونے تک اپنا راستہ منتخب کیا تاکہ دریائے گلگت اور دنیا کے بلند ترین پہاڑوں میں سے ایک کے نظارے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

ویٹر احمد نے منیجر فرید کو ان کی آمد کی اطلاع دی۔ فرید کے چہرے پر ایک گرم مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان کی عمر لگ بھگ 40 کے قریب تھی۔ ان کی سبز آنکھیں

اور چہرے کی خصوصیت ان کی پشتون نسلیت کی پہچان تھی۔ وہ اپنی برادری کی طرح بے خدمہمان نواز تھے۔ انہوں نے ان کی اس وقت مدد کی جب وہ مدد کی سب سے زیادہ مستحق تھیں۔

★★★★★★★★

15 دسمبر 2019، بروز اتوار

زری نے مشی کو فون کیا، "میں نے سب کچھ پیچھے چھوڑ دیا ہے میں نہیں جانتی کہ یہ صحیح ہے یا نہیں لیکن میں چھوڑ آئی ہوں۔ تم مجھے ایف 10 مرکز میں موجود کھاڈی کے سٹور کے سامنے سے پک کر لو۔"

تیس منٹ کے بعد ایک گاڑی وہاں پر رکی۔ پچھلی سیٹ کی کھڑکی کا شیشہ نیچے ہوا، یہ مشکل ہی تھی جو شہر سے بہت دور سفر پر جانے کے لیے تیار تھی۔ 4 اُدھر سے جدھر انہوں نے دو دہائیوں سے زیادہ عرصہ گزارا تھا۔

وہ دونوں سفید کرتے شلوار میں ملبوس تھیں، ان کے اوپر ایک بڑی کالی شال لپٹی

ہوئی تھی۔ وہ کپڑوں اور ضروری مصنوعات کاایک سوٹ کیس لے کر گھر سے نکلی تھیں۔ وہ دونوں بے روزگار تھیں اور ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، سوائے مشی کے ہیروں کاہار اور کچھ پیسوں کے، اور زری کی سونے کی چین کے۔ اوبر ڈرائیور نے انہیں اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اتار دیا۔

نو تعمیر شدہ ہوائی اڈہ جدید اور صاف ستھرا تھا، جو اسلام آباد شہر کا آئینہ دار تھا۔ اگلی اندرون ملک پرواز گلگت جانے والی تھی۔ انہوں نے اپنا سامان چیک ان کروایا، بورڈنگ پاس حاصل کیے، اور ٹرمینل میں موجود نشستوں کی طرف چلی گئیں۔

مشی اپنے آبائی شہر سے جانے کے تمام اخراجات اٹھا رہی تھی۔ شام کے 4:27 پر وہ نشستوں پر بیٹھی اپنے بورڈنگ پاس دیکھ رہی تھی جس پر پرواز کی بورڈنگ کا وقت 5:15 لکھا دکھ رہا تھا۔ یہ ان کی زندگی کے سب سے تلخ لمحات میں سے ایک تھا۔

زری، جذبات سے لبریز، اپنی روانگی پر انتہائی جذباتی تھی۔ وہ باہر جانا چاہتی تھی، دنیا کا تجربہ کرنا چاہتی تھی لیکن کبھی بھی اپنے آبائی شہر سے اس طرح رخصت نہیں ہونا چاہتی تھی۔

پرواز PK-778 کے لیے، دروازہ کھلنے کا اعلان ہو رہا تھا جب وہ اپنے قدموں پر اٹھی۔ ہر قدم پہلے سے بھاری محسوس ہو رہا تھا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے سامان کا بوجھ اٹھا رہی تھی بلکہ اپنے عزت، وقار اور یہاں تک کہ اپنی جان کا بوجھ اٹھائے چل رہی تھی۔ انھیں علم تھا دو لڑکیوں کا اکیلے زندہ رہنا مشکل ہو گا، لیکن 24 سال کی عمر میں اس سب کا سامنا کرنے کی توقع ہر گز نہ تھی۔

پرواز نے اڑان بھری، اور جلد ہی زمین تزئین ہموار میدانوں سے سرسبز پہاڑوں میں منتقل ہو گئی اور بالآخر بنجر چٹانی پہاڑوں میں تبدیل ہو تی گئی۔ جیسے ہی وہ شام 6:33 پر گلگت ائیر پورٹ پر اتریں، بادلوں کی چادر نے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ہوائی اڈے سے نکلتے، انہوں نے وادی پھنڈر کے لیے ایک سواری بک کروائی۔ یہ علاقہ بڑے شہروں سے بہت دور وادی اور قصبہ تھا اور ان کے لیے اس آزاد زندگی کا تعاقب کرنے کے لیے بہترین پوشیدہ جگہ تھی جس کی وہ ہمیشہ خواہش رکھتی تھیں۔ وہ گھکوچ پہنچے ہی تھے کہ ان کی گاڑی کا ٹائر پھٹ گیا۔

پہاڑ کے ساتھ طویل بل کھاتی سڑک، ایک ڈرائیور اور کار میں دو لڑکیاں۔ وہ لمحات کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہ تھے۔ اس پہر اس علاقے میں دور دراز تک مدد کا ملنا ناممکن تھا۔ معاملات مزید بگاڑتے، ڈرائیور نے انہیں آگے لے جانے سے انکار کر دیا۔ ڈرائیور ان کی حفاظت کے لیے پریشان بھی تھا لیکن مدد کرنے سے قاصر تھا۔ اس نے اپنی مایوسی ظاہر کرتے ہوئے ان کو قریبی ریسٹورنٹ کی اور اشارہ کیا اور ان کو اگلے معاملات کا سامنا کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔

جیسے ہی وہ ریستوراں کی طرف چلنے لگیں، آسمان میں بادل آپس میں گھلنے لگے۔

راستہ ایک کلومیٹر سے کم تھا مگر لمبے سفر نے انہیں تھکا دیا تھا۔ سیاہ رات میں اچانک بجلی کے چمکنے سے اجالا ہوا اور بادل زور سے گرجنے لگے۔

طوفان شدت اختیار کرتا رہا اور موسلادار بارش ہونے لگی۔ سماں گرج چمک سے خوفناک ہو رہا تھا۔ ان کی شالیں جلد ہی بھیگ گئیں، اور بارش کی بوندیں ایسے محسوس ہونے لگی جیسے ان پر بھاری پتھر گر رہے ہوں۔

ریسٹورینٹ کی چمکتی بتیوں کو دیکھتے انہوں نے آگے بڑھنے کی ہمت باندھی۔ کچھ دیر میں ہی ایک پہاڑ کا ٹکڑا سڑک پر آ گرا جس نے روشنی روک ڈالی۔

راستہ عبور کرنے کی جلد بازی میں ٹکڑے کے تیز کناروں سے خود کو زخمی کر بیٹھیں۔

چوٹوں کے باوجود، انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ رکاوٹ کو عبور کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی لیکن ان کی رفتار سست تھی۔ انہوں نے 15 منٹ کا فاصلہ 35 منٹ میں طے کیا۔ رات کے 10:30 بج رہے تھے، جب آخر کار انہوں نے ریستوراں کی روشنی واپس دیکھی۔ ریسٹورنٹ اندھیرے میں چمکتا ہوا ان کی امید کی کرن بن کہ کھڑا تھا۔ جیسے جیسے وہ اندر داخل ہوئیں طوفان شدت اختیار کرتا گیا۔

احمد، ایک ویٹر نے گیلے کپڑوں اور بکھرے بالوں والی دو نوجوان لڑکیوں کو دیکھا۔ وہ انہیں جگہ کے بند ہونے کا بتا ہی رہا تھا کہ اس کا مینجر فرید موقع پر آیا اس نے ان پر

سر سری نظر دہرائی۔ سر سے پیروں تک بارش میں بھیگی دو لڑکیاں۔۔۔یقیناً ان کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں۔

احساس کے جذبات نے فرید کو گھیرا اور اس نے ان سے سوال کیا،

"کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟

"پناہ" مشی نے جواب دیا۔

فرید نے فوراً احمد کو کھانا لانے اور بستر لگانے کا حکم دیا۔اس رات فرید فرش پر سوئے،تاکہ وہ اپنے ہوٹل میں آئی مہمانوں کو وہ سکون فراہم کر سکے، جس کی ان کو سخت ضرورت تھی۔اس خوفناک طوفان میں یہ چھوٹا سا رحم تھا لیکن ان دو مسافروں کے لیے زندگی موت کا سوال تھا۔

★★★★★★★★

(موجودہ وقت)

"اسلام علیکم،فرید چچا!" مشی اور زری دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، میرے بچے کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک" دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

تھوڑی سی روایتی گفتگو کے بعد وہ سب گپ شپ کرنے بیٹھ گئے۔

"آپ کی تکام کیسا چل رہی ہے؟" فرید نے مشی سے پوچھا۔

"بہت اچھا۔ لیکن اعداد و شمار حاصل کرنا تھوڑا مشکل ہے۔ میں نو عمر لڑکیوں (12-16 سال) کا ڈیٹا حاصل کرنے کے لئے اسکول گئی لیکن وہ مجھے کچھ نہیں دے رہے ہیں۔ بہت اچھا ہو گا اگر آپ اس معاملے میں بھی میری مدد کر سکیں جیسے شمالی پاکستان کے قدرتی وسائل کے بارے میں تحقیق میں اسکی مدد کی تھی"

"ہاں ضرور، کیوں نہیں۔" فرید نے اتفاق کیا۔

زری نے وقت دیکھا تو 11 بج رہے تھے۔

"معزرت، اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے ہمیں نکلنا ہو گا، فلائٹ پکڑنے کے لیے

زیادہ وقت نہیں۔ آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ فرید انکل! ہم جلدی واپس آئیں گے، انشاءاللہ!"، زری نے آنکھوں میں تشکر لیے کہا۔

فرید مسکرائے، "تم لوگوں کے لیے یہاں کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں میرے بچو۔ آتے رہا کرو اور اپنا سفر دھیان سے کرنا۔ کچھ بھی چاہیے ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔"

جی ضرور۔ دونوں وہاں سے اٹھی اور پھر سے سفر پر روانہ ہو گئیں۔

"سر سبز و شاداب وادیوں، چٹانی پہاڑوں ، ٹھنڈے صحراؤں اور برف پوش چوٹیوں کی سرزمین گلگت میں آپ کا استقبال ہے۔"

منصوبہ بندی کے مطابق ہوائی اڈے کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے 12:45 بجے یہ سائن بورڈ پاس کیا۔

زری کے صبر کا پیمانہ لبریز تھا اس نے تجسس سے پوچھا،

"تم میرے صبر کا امتحان کیوں لے رہی ہو؟ کیا تم مجھے بتاؤ گی بھی کہ میرے ساتھ

کیوں آئی ہو؟"

مشی نے مسکرا کر جواب دیا، "مجھے جناب کی فکر ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کو راستے میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ آپ اپنی فلائیٹ مس کریں اور مجھے پھر سے آپ کو جھیلنا پڑے۔

"شکریہ!! اس بات کی یقین دہانی کرنے کے لیے کہ میں کسی قیمت واپس نہ آجاؤں۔" زری منہ بگارتی دوسری جانب دیکھنے لگی۔

★★★★★★★★

مشعل نے گاڑی روکی۔انہوں نے پارکنگ لاٹ میں قدم نکالا جس کے سامنے ایک منزل کی چھوٹی سی عمارت تھی۔ جس پر لکھا تھا'گلگت ایئرپورٹ۔'

یہ الوداعی وقت تھا، لیکن کتنے عرصے کے لیے۔۔۔ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ مشی نے چہرے پر دِکھتے جذبات ظاہر نہ کرنے کے لئے اسے گلے لگا یا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اسے مس کرے گی لیکن اس کا اظہار اس سے کبھی نہیں کرے

گی۔زری صرف ایک دوست ہی نہیں تھی بلکہ ایک بہن بھی تھی جو ضرورت پڑنے پر ہمیشہ موجود ہوتی۔

مشی زری کے سیکیورٹی چیک ان میں داخل ہوتے قدموں کو دیکھ رہی تھی جب اسے اچانک دور سے اپنا نام پکارنے کی آواز آئی۔

"مشعل، مشعل طاہر" !

اس نے مڑ کر دیکھا اور ایک گروپ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ایک روایتی کرتہ شلوار میں ملبوس، داڑھی والا شخص۔دوسرا تراشی ہوئی داڑھی والا جس نے ہوڈی اور سویٹ پینٹ پہن رکھی تھی، اور آخری لڑکی سویٹ شرٹ اور ٹراؤزر میں تھی۔ان سب کے پاس سفری بیگ تھے اور وہ مشی کی عمر کے لگ بھگ دکھتے تھے۔

"شہریار، فائق، ربیعہ، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ دیکھ کر بہت اچھا لگا" مشی ان کے قریب آتے ہوئے بولی۔

حسب معمول میل جھول کے بعد، شہر یار نے وضاحت کی،

"ہم ہنزہ جارہے ہیں۔ سنا ہے کہ یہ دورہ کرنے کا بہترین وقت ہے، اس لیے ہم نے تھوڑا سا سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔"

فائق اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا اور پوچھا،

"تم یہاں کیا کر رہی ہو ؟ اور فارس کہاں ہے؟ سنا تھا تم نے اپنی (دیستی نیشن ویڈنگ) Destination Wedding کے لیے کینیڈا کا انتخاب کیا، پھر تم

غائب ہو گئی۔"

مشی کانپ گئی، آنکھیں آنسوؤں سے بڑھ گئیں۔ شادی، فارس، کینیڈا۔۔۔ ان الفاظ نے یادوں کا ایک طوفان واپس بھرپا کیا۔ جس سے وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے آگے بڑھنے میں چار سال لگ گئے تھے، لیکن چار لمحے نہ لگے اسے واپس ادھر لانے میں۔

ربیعہ نے فکر مند ہوتے ہوئے پوچھا، "سب ٹھیک تو ہے ناں مشعل ؟"

"وہ مر چکا ہے۔"

چار سال گزر چکے تھے، اور کسی کو پتہ تک نہ تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ کیا زندگی اتنی عام چیز ہے کہ سب کچھ اس کے بغیر جاری رہ سکتا ہے۔

" مجھے سن کر افسوس ہوا۔ آخر کیسے ؟ آپ دونوں تو ایک ساتھ بہت خوش لگتے تھے۔"، شہریار نے اظہار تعزیت کیا۔

"اس کا جنون اسے نگل گیا، براہ کرم، مجھ سے مزید تفصیلات مت پوچھیں۔ اپنے سفر سے لطف اندوز ہوں۔ مجھے کہیں جانا ہے۔ اپنا خیال رکھیں۔"

وہ ان کے بے جواب سوالوں کو چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ قدم موڑتے اسے پیچھے سے فائق کی آواز سنائی دی،

"کم از کم زری کے بارے میں تو بتاؤ۔"

"وہ ایئرپورٹ میں ہے، سوئٹزرلینڈ کے لیے پرواز کر رہی ہے۔"

وہ اپنی گاڑی کی اور مستقل چلتی رہی اور ان کی گفتگو کی آواز دھیمی پڑتی گئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا، اور وہاں سے چلی گئی۔

★★★★★★★★

پرندوں کی چہچاہٹ وہ چیز تھی جس کا انتظار زری بے تابی سے اس صبح کر رہی تھی۔ وہ قدرتی حسن کی جنت سوئٹزرلینڈ میں تھی۔

سفید ٹی شرٹ اور اسکائی بلیو جینز میں ملبوس، سفید سنیکرز کے ساتھ اپنے اسٹریٹ اسٹائل کو مکمل کرتے وہ پر تعیش ہوٹل کے کمرے سے باہر نکلی۔ اپنے کلچ بیگ کی ڈور مخالف کندھے پر ایڈجسٹ کرتے ہوئے ہوٹل کے داخلی دروازے پر پہنچی جدھر اس نے رات قیام کیا۔ وہ گزشتہ رات زیورچ پہنچی تھی، اور آج اس خوبصورت شہر کی فلم بندی کرنے کا دن تھا، جو پر کشش نظاروں سے مالا مال ہے۔

اس نے کل رات مشی کو میسج کیا جس کا جواب نہیں ملا۔ اس نے اسے فون کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کا نمبر آن نہیں تھا۔ اپنے سفری فرائض پر توجہ مرکوز کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اور اپنی دوست کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے

زری نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

زیورچ، سوئٹزرلینڈ کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ آبادی والا شہر ہے، جبکہ برن دارالحکومت ہے۔ دریائے لمنات شہر کے وسط میں بہتا ہے جو شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وسیع وادی میں بہتے ہوئے دریا اور ارد گرد کے پہاڑوں کا انوکھا امتزاج ہے یہاں۔

شہر مختلف پلوں کے ذریعے جڑا ہوا ہے، جن میں سے ایک روتھاؤس پل ہے۔ اس

شہر کے اندر تنگ سڑکیں پرانے یورپی فن تعمیر کی نمائش کرتی ہیں، جو دریا اور پہاڑوں کے پرسکون پس منظر سے مزین ہیں۔

زری نے، بیکی اور جیمز، (ایک مسافر جوڑا، اور میزبان) کے ہمراہ لنڈن ہوف کی جانب سفر کا آغاز کیا۔ دونوں انگریزی اچھے سے جانتے تھے۔ اس لیے زری کو بات کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔

انہوں نے گھومتی ہوئی تنگ گلیوں سے Lindenhof تک اپنا راستہ بنایا، جو

شہر، دریا اور آس پاس کے پہاڑوں کے شاندار نظارے پیش کرنے والا ایک مشہور مقام تھا۔ وہاں کچھ دلکش شاٹس لینے کے بعد، انہوں نے بیلیو Bellevue کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

بیلیو، جس کے معنی "خوبصورت" کے ہیں، ایک جھیل کے کنارے کا علاقہ ہے۔ جہاں جھیل بغیر کسی رکاوٹ کے ایک دریا میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ آرام وسکون سے تہلنے کے خواہش مند کثرت سے یہاں آتے ہیں۔

اس مقام پر شفاف نیلی جھیل، سرسبز و شاداب پہاڑ اور پرانے یورپی فن تعمیر کے بنے مکانات نمایاں ہیں۔ اس جگہ کو شہر سے جوڑنے کے لئے کچھ ٹرام چل رہی تھیں جو اس خوبصورت جگہ اور شہر کے مرکز کے درمیان نقل و حمل کا ایک آسان ذریعہ ہے۔

تھوڑا مزید چلنے کے بعد، زری اور اس کے ہمراہ عملہ سٹرنن گرل نامی ریستوران میں داخل ہوئے۔ ریستوران کی چھت پر میز سجیں تھیں۔ جہاں سے بیلیو کا شاندار نظارہ نظر آتا تھا۔ کونے کی میزوں میں سے ایک کا انتخاب کرتے ہوئے، وہ ایک

شاندار پس منظر کے ساتھ کھانے کیلئے بیٹھے۔

تاہم، زری کو ایک مخمصے کا سامنا کرنا پڑا جب اس نے مینو کو دیکھا اور محسوس کیا کہ ان میں سے کوئی بھی آپشن اس کی غذائی پابندیوں کو پورا نہیں کرتا۔

ریسٹورنٹ میں حلال کھانا پیش نہیں کیا جاتا۔ وہ صبح سے بھوکی تھی، ہوٹل میں بھی غیر حلال کھانا ہی دستیاب تھا۔ اس ریسٹورنٹ میں سمندری غذا موجود تھی مگر اس میں ذائقے کے لیے شراب کا استعمال کیا گیا تھا۔ وتجیتیریں کھانے میں بھی کچھ خاص کھانے لائق نہ تھا۔

زری نے بیکی اور جیمز کو اپنی پریشانی کی وضاحت کرتے ہوئے مینو سے کچھ بھی آرڈر کرنے سے عاجزی کا اظہار کیا۔ محدود انتخاب سے مایوس ہو کر، اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے چھت کے کنارے گئی۔ چمکدار سورج نے اس کے گرد ونواح کو منور کر رکھا تھا، اور جب اس نے ارد گرد دیکھا تو اس کی نظر دریائے لمنات کے پار حلال فوڈ کے سائن بورڈ پر پڑی۔ اس دریافت نے امید کی ایک کرن روشن کی، اور زری کو اپنی پریشانی کا حل ملا۔

کھانے سے پیٹ بھرنے کے بعد، انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا اور سیچسیلاتن Sechselauten پہنچے جو تہواروں اور تقریبات کی میزبانی کے لیے مشہور ہے۔ اس کھلے علاقے کے فرش کو خوبصورت انٹرلاک ٹائلوں سے سجایا گیا ہے۔ یہاں گرمیوں کے تہواروں اور کرسمس کی تقریبات میں اکثر ہلچل مچ جاتی تھی۔

عملے نے اس بات کو یقینی بنایا کہ زری کے پاس ہمیشہ کھانے کے انتخابات موجود ہوں جو اس کی غذائی ترجیحات کے مطابق ہوں۔

★★★★★★★★

دوسرا دن، دوسرا شہر: انٹرلیکن - Interlaken

انہوں نے انٹرلیکن کا سفر کیا، جو کہ مقبول سیاحتی مقامات میں سے ایک ہے۔ زری کا جیٹ لیگ ختم ہو چکا تھا اور وہ اس قدرتی عجوبے کو پوری توانائی کے ساتھ دریافت کرنے کے لیے بے چین تھی۔

انٹرلیکن سرسبز و شاداب میدانی خطوں کی زمین ہے جو جنگلات اور برف پوش پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ ابر آلود موسم کے باعث زری نے کالی سویٹ شرٹ اور

کالی جینز پہنی۔ جس کے ساتھ براؤن اوور کوٹ اور چیلسی بوٹ چرہائے۔ انٹر لیکن کا نام، انٹر لاکس برا ئنز تھون سے ماخوذ ہے، جو ایک ایسے شہر کی نشاندہی کرتا ہے جو اونچائی سطح پر واقع میدانی زمین ہے، جس کے مشرق اور مغرب دونوں طرف جھیلیں ہیں۔

زری جس ہوٹل میں ٹھہری وہ انٹر لیکن کے وسط میں واقع تھا۔ اس نے ایک سفید لیکس Lexus کار میں قدم رکھا جو اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا پہلا پڑاؤ قلعہ کے کھنڈرات پر ہوگا۔ اس لئے سیاحوں کی جگمگاہٹ سے بچنے کے لیے صبح سویرے نکل پڑے۔

بارہویں صدی کے بنے، قلعے کے کھنڈرات وہ چیز نہ تھے جس کے لیے زری یہاں آئی بلکہ اس کے گرد بل کھاتے اونچے ٹریک اور دل کش مناظر کے لیے وہ یہاں موجود تھی۔ کھنڈرات میں ان کا مختصر دورہ صبح 10 بجے کے قریب اختتام پذیر ہوا، اور وہ ویلو کیفے نامی ایک مشہور کیفے کی طرف روانہ ہوئے، جو 'انٹر لیکن ویسٹ ٹرین اسٹیشن' کے قریب واقع ہے ۔

Velo Café سیاحوں کے درمیان ایک پسندیدہ مقام ہے۔ جیسے ہی آپ 'یونیئن گراسے' میں قدم رکھتے ہیں، آپ کو دور سے ہی ویلو کیفے کے باہر پیٹیو میں موجود میز دکھ جاتے ہیں۔

ویلو کیفے کا داخلی دروازہ شیشے سے بنا ہے جس کے ارد گرد لکڑی کے فریم ہیں۔ انہوں نے شیشے کے سامنے سے ملحق ایک کونے کی میز کا انتخاب کیا۔

زری نے ہاٹ چاکلیٹ کا ایک کپ آرڈر کیا لیکن اس کے پر سکون لمحے میں اس وقت خلل پڑا، جب اسے محسوس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی نہ ملا۔

وہ سوئٹزرلینڈ پہنچنے کے پہلے دن سے ہی یہی محسوس کر رہی تھی۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے کیفے سے باہر گئی کہ آیا کوئی وہاں موجود ہے۔ لیکن اسے سیاحوں سے بھری تنگ گلی کے علاوہ کچھ نہ دکھا۔ وہ اسے نظرانداز کرتے کیفے واپس چلی گئی۔

جب وہ اندر آئی تو بیکی اور جیمز بند لفافے کو دیکھ رہے تھے۔ جس میں بھیجنے والے کا

نام "گمنام" تھا۔اور اسے زرنش زاہد" سے مخاطب کیا تھا۔اس کے ماتھے پر پریشانی کی شکنیں نمودار ہوئیں۔

وہ شخص کون تھا جو اس کا پورا نام بھی جانتا تھا۔

اس نے لفافہ کھولا لیکن اسے سوائے سوکھے گلاب کی پتیوں کے علاوہ کچھ نہ ملا۔

★★★★★★★★

اگلا اسٹاپ: پیرا گلائیڈنگ۔

ایک گھنٹے کے لئے شہر کے اوپر پرواز کرنے سے زیادہ ادوینچرس کیا ہوگا۔ بیکی اور جیمز ڈرون اور کیمرے نصب کر رہے تھے جب وہ پرواز کرنے کے لئے تیار تھی۔

جیمز ٹکٹ حاصل کرنے گیا جس کی قیمت تقریبا تین سو ڈالر تھی لیکن اس موقع پر کسے پرواہ تھی۔اس کی ادائیگی جے ڈی گروپ کر رہا تھا۔اسے بس ان لمحوں کا مزہ لینا تھا۔

وہ ان لمحات کو مشی کے ساتھ بانٹنا چاہتی تھی، لیکن وہ اسے دوبارہ فون کرنے سے

پہلے اس کے میسج کا انتظار کر رہی تھی۔

پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہی حفاظتی ٹیم نے اس کا پیراشوٹ اس کے ساتھ باندھا۔ وہ ایک پیشہ ور کے ساتھ اڑ رہی تھی، اس لیے گھبراہٹ سے زیادہ جوش و خروش سے بھرپور تھی۔ کتنا اچھا لگتا ہے نہ سب، جب وہ خواب حقیقت بن رہیں ہوں جن کی خواہش آپ نے ہمیشہ کی ہو۔

شہر کے اوپر بادلوں کا نظارہ اور نیچے کا ہموار خطہ واقعی دلکش تھا۔ شہر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے پہاڑ ایک حفاظتی رکاوٹ سے مشابہت رکھتے تھے، جبکہ شہر کے دونوں اطراف جھیلیں حیرت انگیز مناظر کی عکاسی کرتی تھیں۔

انسانی زندگی نشیب و فراز سے بھرپور ہے۔ ہم ہنستے ہیں، مسکراتے ہیں، پیار کرتے ہیں اور اپنے لمحات سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن وقت ہمیں رونے پر مجبور کرتا ہے اور ہماری زندگیوں پر بھی سوال اٹھاتا ہے۔ یہ وقت اس کا بہترین وقت تھا اور تا عمر اس کی زندگی کی یادگار رہنے والا تھا۔

ان ناقابل فراموش یادوں کو سمیٹنے کے بعد انہوں نے اپنے کیمپنگ اسپاٹ کی جانب رہ کیا۔ اس طرف جانے سے پہلے "انٹر لیکن پیزا" سے پیزا کا لطف لیا۔

کیمپنگ کے شوقین افراد کے لیے انٹر لیکن ایک پسندیدہ مقام ہے، اور زری کے لیے، جنگل کے درمیان کیمپ سائٹ پر وقت گزارنا ایک پسندیدہ سر گرمی۔

بیکی اور جیمز نے قریبی ٹری ہاؤس کا انتخاب کیا تھا لیکن زری کو اس کا خیمہ لگانے میں مدد کر رہے تھے۔ وہ خود کو قدرت کے قریب محسوس کرنا چاہتی تھی، اس لیے اس نے جنگل کے وسط میں اپنا خیمہ پیوست کیا۔ موسم قدرے سرد تھا۔ تازہ چائے کے ساتھ ایک چھوٹے الاؤ کے لیے موزوں تھا۔

بیکی نے سوئس چائے بنائی جبکہ جیمز نے کچھ موسیقی بجانے کے لئے اپنا گٹار نکالا۔ سب کچھ شاندار چل رہا تھا جب تک کہ زری نے اپنے خیمے پر جھلکتا سایہ نہ دیکھا۔

اس نے تیزی سے پیچھا کیا، لیکن افسوس، بہت دیر ہو چکی تھی۔

اس شخص کا تعاقب کرتے ہوئے، وہ نادانستہ طور پر لکڑی کے ٹکڑے سے ٹھوکر کھا

گئی اور اسے معمولی چوٹ آئی۔ اگرچہ زخم گہرا نہیں تھا اور خون کے صرف چند قطرے ہی بہے تھے، بیکی اور جیمز نے فوری طور پر کپڑے کے ٹکڑے سے زخم کو باندھ دیا۔

زری کی حفاظت کے لیے فکر مند بیکی نے تجویز پیش کی کہ زری ان کے ساتھ ان کی مخصوص رہائش گاہ میں چلی جائے۔

لیکن، اس نے اس پر سکون مقام پر کیمپ لگانے کے خواب کو ترک کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ رات 11:00 بجے کے قریب، بیکی اور جیمز اس کے پاس سے اٹھے کیونکہ انہوں نے کوئی مشکوک سرگرمی نہیں دیکھی۔ زری نے انہیں اپنی حفاظت کی تسلی دی اور الوداع کہا۔

یہ پورے چاند کی رات تھی۔

اس کے کیمپ سائٹ سے ملحقہ جھیل رات کے آسمان کا آئینہ پیش کرتے اس خوبصورتی کی عکاسی کر رہی تھی۔ پُر سکون ماحول کے باوجود، ایک ناقابل فہم بے

چینی زری پر طاری تھی۔

اس نے سونے کا فیصلہ کیا لیکن سایہ اسے پریشان کرتا رہا۔ وہ شخص کون تھا اور وہ اس کا پیچھا کیوں کر رہا ہے۔

وہ اپنے خیالات میں گم نہیں ہونا چاہتی تھی اور ہر لمحے سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی کروٹ بدل کر سونا چاہا، لیکن نظروں نے رخ بیگ سے ٹینٹ کی طرف کیا۔

ایک اور سایہ! اس نے ایک اور سائے کو دیکھا۔ جب وہ بستر سے اٹھی تو اس کا ماتھا اور ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔ وہ اپنے بستر سے نرمی سے اٹھی اور اپنا بیگ پکڑ کر خیمے کے دروازے کی طرف بڑھی۔

ہر قدم کے ساتھ اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔ وہ باہر نکلی لیکن اس نے جو دیکھا، اسے دیکھتے ہی وہ برف کا مجسمہ بن گئی۔

گھنے جنگل کے وسط میں ایک بھیڑیا کھڑا تھا۔

زری کے کپڑوں پر اس کے خون کے دھبے نمایاں تھے اور بھیڑیا اسے دیکھتے ہونٹ چاٹ رہا تھا۔ یہ شاید ایک اڈوینچرس چیز ہو لیکن زری نے کبھی اس کا سامنا کرنے کا سوچا نہ تھا۔

دہشت نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اگرچہ وہ جانتی تھی کہ اسے بھاگنا ہے، لیکن اس نے خود کو خوف سے مفلوج پایا۔

زری کو ایک خوفناک مخمصے کا سامنا تھا۔ وہ اس جگہ سے محفوظ طریقے سے نکلنے کا راستہ بھی نہیں جانتی تھی۔ اس کا واحد آپشن، جہاں تک ممکن ہو بھاگنا تھا، لیکن ایسا کرنے سے بھیڑیا اسکے کپڑوں پر لگے خون کی خوشبو کے ذریعے اس کا پیچھا کرنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

اسے بھاگنا تھا اور خود کو بچانا تھا۔ وہ نہیں ٹوٹے گی۔ اپنی تمام ہمت اور عزم کو گہرے سانس سے خود میں اتارتے اس نے بغیر آواز نکالے خاموشی سے 10 احتیاطی قدم لیے اور ایک قریبی درخت تک جا پہنچی۔

جب اس نے بھیڑیے کی گونجتی خوفناک آواز سنی، ایک اور کپکپی اس کے سر سے لے کر پیروں تک گزری۔ وہ اب پوری طرح پسینے میں بھیگ چکی تھی مگر اس نے چلنا نہ چھوڑا۔

ایک درخت سے دوسرے درخت کا سفر کرتے، اس عزم کے ساتھ کہ وہ اس سے بچ نکلے گی، ہر لحہ گھنٹہ طویل محسوس ہوتا اور ہر قدم دھات کی طرح بھاری۔
درختوں کے جھنڈ میں ادھر اُدھر بھٹکتی زری، اپنے اور بھیڑیے میں فاصلہ قائم کرنے میں کامیاب ہوتی گئی۔ لیکن ایک کانٹے دار جھاڑی نے اسے تکلیف سے چلانے پر اکسایا جس کے باعث اسے رکنا پڑا۔
اس نے ارد گرد نظر دوڑائی مگر بھیڑیے کو اپنے عین سامنے پایا۔ اب آہستگی سے پیچھے چلنے کے سوا کوئی آپشن نہ تھا۔ وہ آہستگی سے چلنے لگی اور مشی کی کتاب " A wandering wolf" کو بے تابی سے یاد کرنے لگی جو وہ اس رات پڑھ رہی تھی۔ اس کی ٹوٹے بکھرے نکات اسے یاد آنے لگے۔ جس کا خلاصہ یہ تھا؛

بھیڑیے سے بچنے کے لیے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیچھے کی اور چلیں اور اسے ہر گز دانت نہ دکھائیں کیوں کہ یہ انہیں حملہ کرنے پر اکسا سکتا ہے۔

ان اصول وضوابط پر چلتے وہ پیچھے چلتی رہی حتیٰ کہ وہ ایک ٹریل پر چڑھ گئی۔ الٹے قدم چلتے جلد ہی اس نے اپنے پیچھے ہلکی روشنی محسوس کی،

وہ ایک ٹری ہاؤس تھا۔ یقینا بیکی اور جیمز کا۔

وہ بھاگتے ہوئے سیڑھیوں پر لپکی اور دروازے پر بے دلی سے دستک دینے لگی۔ بیکی نے دروازہ کھولا جو اپنے نائٹ ڈریس میں ملبوس تھی۔ تھکی ہوئی اور پریشان زری داخل ہوتے ہی فرش پر گر پڑی۔

بیکی نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے بھیڑیے کو روشنی سے پیچھے ہٹتے دیکھا۔

زری اٹھ نہ سکی۔ اسے مستحکم ہونے میں کچھ وقت لگا۔

جیمز نے پوچھا، "کیا اسے کچھ ہوا ہے؟"
بیکی نے زری کو پانی کا گلاس دیتے ہوئے جواب دیا،

بیکی نے زری کو پانی کا گلاس دیتے ہوئے جواب دیا،

"اس پر بھیڑیا حملہ کر رہا تھا۔مجھے اس بات کی حیرت ہے کہ ایک بھیڑیا اس علاقے میں کیسے پہنچا؟ یہ کوئی گھنا جنگل نہیں اور سیاحوں کی یہاں آمد ورفت لگی رہتی ہے۔"

"قدرت اپنا راستہ نکال ہی لیتی ہے۔ بہر حال، چلو پہلے اس کی مدد کریں۔اسے ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔وہ یہاں تمہارے ساتھ سو سکتی ہے۔میں اپنے کمبل کے ساتھ فرش پر سو جاؤں گا۔"

بیکی نے زری کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا،"وہ جہاں بھی جاتا ہے ہمیشہ اپنا کمبل لے جاتا ہے،اب تم سکون سے آرام کر سکتی ہو۔

"زری انہیں منع کرنے میں ناکام رہی۔اس نے ان کی اس پیشکش کو ٹھکرانے کی کوشش کی، لیکن باہر نکلنے کے خوف سے اس مہربانی کو قبول ہی کر سکی۔

وہ سو نہیں پا رہی تھی اور جیمز کے فرش پر لیٹنے پر شرمندہ محسوس کر رہی تھی۔اس

نے جیمز کو فرش پر لیٹے دیکھا تو اچانک اسکی نظر کھڑکی پر پڑی۔

اسے سفید کپڑوں میں ڈھکا کوئی شخص نظر آیا۔ وہ فوراً دروازے کی اور گئی اور اسے کھول دیا۔

وہاں ایک Air bed گدا کے علاوہ کچھ نہ تھا جو سونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا، اور گدے کو چھوا۔

وہ شخص کون تھا؟ اسے یقین ہو گیا تھا کہ واقعی کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ اس نے گدا اٹھایا، اس کی نظریں لکڑی کی سیڑھیوں پر گئیں جس پر خون کے قطرے تھے۔ جو بھی شخص تھا، وہ زخمی تھا۔ اس نے گدا اندر لیا اور ساتھیوں کو بتایا۔

"مجھے لگتا ہے کہ یہ کوئی لڑکا ہے۔ بیکی بولی۔ کبھی لفافے تو کبھی گدہ بھیج کر میری دوست کو محبت کے اشارے دے رہا ہے۔ گدہ خاصی عجیب شے ہے لیکن تمہارے آرام کی پرواہ کرتا ہے۔"

زری عجیب و غریب واقعات کو جھٹک نہ سکی۔ اس کی سوچوں کو اس پراسرار شخص

نے ہڑپ کر لیا جو اس کا پیچھا کر تا دکھائی دے رہا تھا۔ سوکھے گلاب، لفافہ، گدہ، اور اس کے پورے نام کا علم، اس کے ذہن پر بہت بھاری تھا۔

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کوئی ایسا کیوں کر رہا ہو گا، یہ وسیع و عریض زمین کیوں سکڑ رہی تھی۔ (میرا پیچھا کیوں کیا جا رہا ہے)۔ اپنے خیالات میں گم، وہ نہیں جانتی کہ کب اپنی آنکھیں بند کر کے وہ سو گئی۔

ایک اور پرندوں کی چہچہاہٹ سے بھرپور، ایک اور پرامن صبح۔

وہ اپنی پچھلی رات کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی ہی تو تھی وہ۔

ہمیشہ زندگی کو آگے چلتا دیکھنے والی اور ماضی کو بھلانے والی۔ وہ اس گدے سے اٹھی جس پر وہ کل سوئی تھی۔ لکڑی سے بنا ٹری ہاؤس جنگل کے وسط میں ایک چھوٹی سی آرام دہ جگہ تھی، جو درختوں سے لٹکا تھا۔ کمرے سے منسلک ایک چھوٹا سا واش روم تھا اور بستر کے ساتھ میز پر مائکروویو اور کافی میکر تھا۔ بیکی نے اپنے پاس موجود کچھ کوکیز کو گرم کیا اور سب کے لئے کافی بنائی۔

جیمز صبح سویرے واک سے کیبن لوٹا۔ سب کافی اور کوکیز سے لطف اندوز ہوتے اگلے سفر کی تیاری کرنے لگے۔

★★★★★★★★

تین دن ہو گئے ہیں اور اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔" ربیعہ نے شہر یار کو ایک چھوٹے سے کلینک میں بیٹھے ہوئے بتایا۔ پریشانی اس کی آواز میں واضح تھی۔

شہر یار نے بھی اسی طرح فکر مند ہوتے پوچھا، "کیا تم نے مشی کا فون چیک کیا ہے ؟کوئی کال یا میسج آیا؟"

"مشی کا فون ایک گھنٹہ پہلے آن کیا تھا مگر صرف سوئٹزرلینڈ کے نمبر سے ایک مس کال تھی اور بیوتھ یونیورسٹی برلن کا ایک ٹیکسٹ جو کچھ ریسرچ کے حوالے سے موصول ہوا۔"

"یعنی یہ کسی ریسرچ کے کام کے باعث اس ویران علاقے میں رہ رہی ہے اور وہ مس کال یقیناً زری کی ہو گی جو حال ہی میں سوٹزرلینڈ گئی ہے۔ اس سے رابطہ کرو۔

اسے معلوم۔۔۔"

مشی نے درد سے کراہتے ہوئے آہستگی سے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

شہریار نے بولنا بند کر دیا اور ربیعہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور اس کے پاس بیٹھی اور اس کے ہاتھ پر تسلی دینے والا ہاتھ رکھا۔

مدھم روشنی والے کمرے میں مشی کی آنکھیں پھڑپھڑاہٹ سے کھلیں اس نے ربیعہ اور شہریار کی دھیمی آوازوں کو اپنی حالت پر گفتگو کرتے سنا۔ وہ درد سے آہستہ سے کراہ رہی تھی۔ حالیہ حادثے سے اس کا جسم درد کر رہا تھا۔

مشی اپنے ارد گرد کے احساس کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "مجھے کیا ہوا تھا؟" میں کہاں ہوں؟" وہ درد سے کراہ رہی تھی، اس کی آواز میں شکستگی واضح تھی۔

شہریار اور ربیعہ نے نظروں کا تبادلہ کیا، تسلی ہوئی کہ وہ بیدار اور باخبر ہے۔

"تمہارے جانے کے وقت ایک حادثہ پیش آیا تھا۔ تم ایک درخت سے ٹکرا گئی تھی اور ہم تمہیں علاج کے لیے کلینک لے آئے۔" ربیعہ نے وضاحت کی۔

"تم نے مجھے کیوں بچایا؟" مشی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تمہیں مجھے مرنے دینا چاہیے تھا۔ یہ زندگی۔۔۔ یہ ایک دردناک سفر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انسان مر جاتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے پیاروں کو دکھ سہنے کے لیے کیوں چھوڑ جاتے ہیں؟ ہم ان کے ساتھ مر کیوں نہیں جاتے؟ کیوں ان کی یادیں ہمیں ستاتی ہیں؟ جب مجھ جیسے لوگ زندگی سے شدید نفرت کرتے ہیں تو باقی لوگ زندگی سے کیسے محبت کر سکتے ہیں؟ تم لوگوں نے مجھے ایک اور صدمے کی زندگی جینے کے لیے بچایا۔ میں کیوں نہیں مرتی؟ مجھے مر جانا چاہیے تھا۔ مجھے اس دن مر جانا چاہیے تھا جس دن میری ماں کا انتقال ہوا۔ مجھے اسی دن مر جانا چاہیے تھا جس دن فارس مر گیا۔" وہ چلائی اور زار و قطار رونے لگی۔

بعض اوقات ہمیں آنسوؤں کو بہنے دینا چاہیے، وہ اپنے ساتھ کئی غم بہا لے جاتے ہیں۔ چار سال کا غبار جو وہ اپنے اندر لیے تھی، چند سیکنڈ میں باہر نکال پھینکا۔ اسے اپنا آپ ہلکا محسوس ہوا۔ برسوں سے جو جنگ وہ اکیلے لڑ رہی تھی آخر اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ اس نے سب اگل دیا لیکن پہلے کبھی کسی پر کچھ ظاہر نہ کیا۔ سب اپنی جنگ خود

لڑتے ہیں، بجھتے ہیں۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب مضبوط سے مضبوط انسان بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔ ناامید ہو جاتا ہے اور سہارا تلاش کرتا ہے۔ ربیعہ کے پر سکون ہاتھ اس لمحے مشی کے لیے زندگی کی امید بنے اور اسے وہ سہارا دے رہی تھی جس کی وہ منتظر تھی۔

"ہماری زندگی دوسروں کے ساتھ ختم نہیں ہوتی،" ربیعہ نے ہمدردی سے اسے جواب دیا اور اسے ہمت دلاتے ہوئے کہا۔ "ہر شخص کا ایک مقصد ہوتا ہے، اور تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں وہ مل چکا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں لیکن میں نے بیوتھ یونیورسٹی سے تمہارا میسج دیکھا۔ میں نے چند الفاظ پڑھنے کے بعد اسے بند کر دیا جو ریسرچ سے متعلق تھے۔

"میری ریسرچ؟" مشی نے اپنا فون اٹھایا تو اس کے ماتھے پر جھریاں نمودار ہوئیں۔ پیغامات کھولے تو پیغامات کی فہرست میں سب سے اوپر ایک نام تھا،

ڈاکٹر ایلکس بیکر۔

مشی کے فون پر ڈاکٹر ایلکس کا پیغام کچھ یوں تھا،

ہائے مشعل!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اور مجھے بھولی نہیں ہوں گی۔ میں نے آپ کا شاندار ریسرچ ورک دیکھا۔ آپ سائنسی تجربات میں ہمیشہ ایک بہترین مبصر اور مددگار رہی ہیں۔ تاہم، میں نے دیکھا کہ آپ نے سائنس کے منصوبوں پر کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور انسانیت پر زیادہ توجہ مرکوز کرلی ہے۔ آپ نے 2019 میں جو کچھ کیا، میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ میں آپ سے 29 مئی 2023 کو اسی جگہ دوبارہ ملنا چاہتا ہوں۔

آپ سے ملاقات کا منتظر!

ایلکس

پروفیسر ایٹ بیوتھ یونیورسٹی، برلن۔

وہ پروفیسر پر بھی چیخنا چاہتی تھی، لیکن اس میں بولنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ آرام کرنا چاہتی تھی۔ لیکن، بیوتھ یونیورسٹی میں اپنے سابق پروفیسر کے پیغام سے بھی منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔

اسے ایک بار پھر ڈاکٹر ایلکس سے ملنے کا موقع مل رہا تھا،اور شاید اس ملاقات میں اس کے غیر یقینی مستقبل کے لیے جوابات یا رہنمائی ہو۔۔۔

وہ انہیں سوچوں میں گم تھی جب ربیعہ نے اسے ایک اور سرپرائز دیا۔

"ہم جلد ہی شادی کرنے جا رہے ہیں اور ہم تمہیں بھی جرمنی لے جا رہے ہیں۔ کیونکہ ہم نے جرمنی کو اپنی destination wedding کے لیے چنا ہے۔"

مشی ایک conserved شخصیت کی مالک تھی لیکن دوسروں کی خوشی میں خوش ہونا جانتی تھی۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا اور دونوں کو دیکھ کر مسکراتے بولی۔ میں یونیورسٹی کے دنوں سے جانتی تھی کہ تم دونوں ضرور ایک ہو گے۔

خاصا وقت نہیں لیا تم دونوں نے فیصلہ کرنے میں ویسے؟

ربیعہ نے جواب دیا، "ہم اپنے کیریئر پر توجہ مرکوز کرنا چاہتے تھے اور مستحکم ہونا چاہتے تھے۔ خیر پرواز اگلے ہفتے ہے اور تم ہمارے ساتھ ضرور جا رہی ہو۔"

وہ انکار کر سکتی تھی لیکن ڈاکٹر ایلکس سے بھی کچھ جواب چاہتی تھی۔ لہذا جانے پر راضی ہو گئی۔ یوں اسکی اگلی منزل طے ہوئی۔ برلن، جرمنی!

★★★★★★★★

لاوٹر برونن جاتے ہوئے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے بیکی اور زری پک اپ ٹرک کے کھلے حصے پر چڑھیں جسے ٹونیو کہتے ہیں جبکہ جیمز ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا۔ کمپنی نے ان کے لیے راستے کی مناسبت سے گاڑی کا انتظام کیا ہوتا تھا۔

پہاڑوں اور دریاؤں کے ساتھ بل کھاتی سڑک پر سفر کرنا ایک تجربے سے کم نہیں۔ ان کا سفر اس وقت تک آسانی سے جاری رہا جب تک کہ انہوں نے دور سے لینڈ سلائیڈنگ کو نہ دیکھا۔ چٹان کا ایک بڑا ٹکڑا سڑک پر آ گرا تھا، جس سے ان کا راستہ بند ہو گیا۔

زری کو مشی کے ساتھ بتائی وہ رات یاد آئی جب انہوں نے پہلی بار لینڈ سلائیڈنگ کا سامنا کیا تھا۔

"اوہ مشی، مجھے ابھی تک اس کا میسج نہیں موصول ہوا۔" زری نے اپنے فون کو دیکھتے ہوئے خود سے کہا۔

اس نے ایک نمبر ڈائل کیا اور ایک گھنٹی کی آواز سنی جو پہلے وائس میل پر جا رہی تھی۔ رابطہ قائم ہونے پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اوہ، آخر کار، کسی اونچے درجے پر فائز منسٹر نے میری کال اٹھا ہی لی۔ کیا میں مشی سے بات کرنے کیلیے وقت لے سکتی ہوں؟ اگر انہیں فرصت ہو اور برا نہ منائیں؟ تمہیں کیا معلوم ہے کہ پچھلے دو دنوں میں کیا گزرا مجھ پر؟ مجھ پر بھیڑ یے نے حملہ کیا، کوئی میرا پیچھا بھی کر رہا ہے، میں نے کئی شہروں کا دورہ کیا، اور اب میں لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے سڑک پر پھنسی ہوں، میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے بہت کچھ تھا، لیکن تم میرا فون اٹھائی پھر ناں۔ مجھے فون کر کے پوچھنے کی بھی پرواہ

تک نہ کی کہ آیا میں صحیح سلامت پہنچی بھی یا نہیں؟ پھر میں نے ہی اپنی عزت نفس کو دفن کر کے تمہیں کال ملائی، لیکن پھر بھی جواب دینے کی زحمت نہ کی۔ ہم نے چار سال ساتھ گزارے، لیکن تمہیں چار لمحے نہ لگے مجھے زندگی سے باہر پھینکنے میں۔"

زری نے ایک ہی سانس میں اپنے تمام جذبات باہر انڈیل دیئے۔ وہ سانس لینے کے لیے رکی مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ اس نے اپنے فون کی سکرین کی طرف دیکھا، کال ابھی بھی ایکٹیو تھی، پھر چلاتے ہوئے بولی، "منہ میں چھالے نکل آئے ہیں کیا، بول نہیں رہی، گونگی ہوگئی ہو کیا جو بولتی نہیں، کیا تم مجھے سن رہی ہو؟

آخر کار خاموشی ٹوٹی اور جواب آیا "ہاں۔" مشی نے مزید کچھ نہیں کہا جو زری کو آگ بگولا کرنے کے لیے کافی تھا۔

دریں اثنا ربیعہ کمرے میں داخل ہوئی جب مشی خاموشی سے کال سن رہی تھی۔

ربیعہ نے سوال کیا، "تم کس سے بات کر رہی ہو"؟

"زری"۔ مشی نے جواب دیا۔

ربیعہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ظاہر ہوئی اور اس سے بات کرنے کی اجازت مانگی۔ مشی نے بغیر الفاظ کہے فون ربیعہ کے حوالے کر دیا اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے سورج کی طرف دیکھنے لگی۔

"مشی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور پھر ہم اسی کے کیبن میں آ گئے۔ فکر مت کرو، وہ ٹھیک ہے اور میرے ساتھ ہے۔ تم اس سے بعد میں بات کر سکتی ہو، پہلے بتاؤ تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے میں نے سنا ہے تم سوئٹزرلینڈ میں ہو؟" ربیعہ نے مشی کے پاس بیٹھتے ہوئے گپ شپ کی شرووات کی۔۔۔ کچھ ہلکی پھلکی گفتگو کے بعد ربیعہ نے زری کو اپنی شادی پر مدوع کیا۔ زری نے یقین دلایا کہ وہ اپنی پوری کوشش کرے گی۔

لینڈ سلائیڈنگ کے صاف ہوتے ہی زری نے رابطہ ختم کرتے کال کاٹی، اور اپنے سفر کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کرنا شروع کیا۔ ربیعہ پانچ سال بعد زری سے دوبارہ رابطہ ہونے پر خوش تھی۔ لیکن اس نے مشی پر طاری ہوتی اداسی محصوص

کی۔ سورج کی کرنیں بھی اسکے زخم بھرنے سے قاسر تھیں۔ کچھ زخموں کو بھرنے میں عمریں بیت جاتی ہیں۔

آرام دہ کیبن میں دوپہر کے وقت مکمل خاموشی چھائی تھی۔ گھڑی پر بارہ بج رہے تھے۔ ربیعہ نے مشی سے کھانے کا پوچھا، پھر جواب کا انتظار کیے بغیر ربیعہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

وہ ہاتھوں میں انگوروں سے مزین ایک بڑی ٹرے لے کر واپس آئی۔
لیکن، انگوروں کے وسط میں موجود دلیہ کے پیالے نے مشی کو مایوس کیا۔

"تمہارا بہت شکریہ تم نے یہ سب اہتمام کیا، لیکن مجھے یہ نہیں چاہیے۔" مشی نے پیالے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ربیعہ مسکرائی اور کچھ کہے بغیر مشی کے ہاتھ میں پیالہ تھما کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"مشی، میں نے ٹرے کو تمہارے پسندیدہ پھل سے سجایا تاکہ تمہاری توجہ ان

لا متناہی سوچوں اور یادوں سے ہٹا سکوں۔ یہ پیالہ تمہاری شفایابی کی دوا ہے۔ شفا بے شک ضروری ہے، لیکن پہلا قدم ماضی سے ہٹ کر حال میں جینا ہے۔ میں تمہیں کچھ دنوں سے دیکھ رہی ہوں، یہ صرف حادثے کے جسمانی زخم نہیں ہیں جو مندمل نہیں ہو رہے۔ تمہارے اندر گہرے زخم ہیں جو بھر نہیں رہے ہیں کیونکہ تم ماضی کو کریدتی رہتی ہو۔ یادیں بے شک خوبصورت ہوتی ہیں، لیکن کبھی کبھار ہمیں ستاتی ہیں، بس اُسی لمحے ہمیں حال میں جینا شروع کر دینا چاہیے۔ اسے شفایابی کی جانب ایک ننھا قدم سمجھو۔

مشی پیالے کو ایک طرف رکھنا چاہتی تھی، لیکن ربیعہ کے کندھے پر رکھے ہاتھ نے اسے روک دیا۔ اس کے لمس میں جادو سا تھا—مثبتیت کا جادو اور شفا کا جادو۔ ربیعہ اب نرمی سے اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مسل رہی تھی، گرماہٹ منتقل کرتے ہوئے، تاکہ وہ سکون اور اعتماد فراہم کر سکے جس کی مشی کو ضرورت تھی۔ یہ یقین کی گرماہٹ تھی، سکون کی گرماہٹ۔

ربیعہ نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور بات جاری رکھی،

"مشی، تمہارے گھر کے پچھلے صحن میں موجود کیسے پتھر ہیں؟ وہ تمہیں آج کچرا لگتے ہونگے؟، لیکن جانتی ہو کسی زمانے میں آگ پیدا کرنے کے لیے انہی کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہی عام پتھر، آگ بھی بنے اور ایندھن بھی۔ لیکن وقت نے انکی قدر کھو دی کیونکہ ہم وقت کے ساتھ چلے۔ آگر انہیں جانے نہ دیتے تو آج یہی کنکر ہاتھوں میں معازوری کی طرح ہوتے۔

خیر، یہ صرف نقطہ نظر کی بات ہے، کچھ آج بھی پتھر کو محض کنکر سمجھتے ہیں، کچھ انہی کو قیمتی سنگ مرمر کے طور پر دیکھتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی قدر پہچانتے ہیں۔ ایسے ہی تم بھی خود کو ایک عام سا فضول پتھر سمجھتی ہو، لیکن میں تمہے نایاب ہیرے کی طرح چمکتی دھمکتی دیکھتی ہوں۔

یہ پہاڑ جو تمہیں دکھتے ہیں، وہ مضبوط، سخت اور وسیع و عریز ہیں لیکن جانتی ہو یہ بھی زیادہ دباؤ سے لاوا اگلتے ہیں؟۔ تم بھی کسی پہاڑ سے مختلف نہیں ہو۔ تم اپنے دماغ، اپنے جسم، اپنی روح پر دباؤ ڈال رہی ہو اور اندر ہی اندر جل رہی ہو۔ اپنے جذبات کا اشتراک کر کے اسے نکالو ورنہ تم بھی ویسا ہی لاوا اگلو گی جو سب کچھ راکھ

کر دے گا۔ تم زندہ تو ہو گی لیکن آس پاس کچھ بچا نہ ہو گا۔"

مشی پہاڑ کو گھور رہی تھی جس پر اسے اپنا عکس صاف دکھائی دے رہا تھا۔

پہاڑ، لاوا، پتھر، ہیرا، کچرا.... الفاظ عام تھے، لیکن اس کی زندگی بیان کر رہے تھے۔ اسے محسوس ہوا جیسے ربیعہ سب اچھے سے جانتی ہے اور زندگی کی حقیقتوں کو سمجھتی ہے۔ ربیعہ کے تجربات اور ذہانت کی عکاسی اس کے الفاظ کر رہے تھے، اور اس نے اپنے اور اسکے درمیان ایک مضبوط جوڑ محسوس کیا۔

"ربیعہ، تم مجھے ایک بہترین ہیرا سمجھتی ہو، لیکن مجھے لگتا ہے کہ یہ ہیرا اپنی چمک کھو چکا ہے۔ وقت کی دھول نے گہرے داغ چھوڑے ہیں۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں ایک دن پھٹ جاؤں گی اور سب کو کھو دوں گی لیکن حقیقت میں پیرے پاس کچھ بچا ہی نہیں۔" مشی کی آواز میں درد نمایاں تھا۔

ربیعہ نے جواب میں مسکراتے ہوئے کہا، 'ہیرا کبھی اپنی چمک نہیں کھوتا۔' صرف مٹی کے گلاف اتارنے کی ضرورت ہے اور چمک خود لوٹ آئے گی۔ پہاڑ لاوا خارج

کرتے ہیں لیکن رہتے وہیں ہیں۔ سب کچھ جلانے کے بعد بھی وہ ڈٹے رہتے ہیں۔ تم بھی مضبوط ہو لیکن اسکا شعور نہیں رکھتی۔ تمہیں لگتا ہے کہ تم نے سب کچھ کھو دیا، لیکن تمہارے پاس سب ہے۔ ہم ہیں۔ ہمیں چھوڑو، زری ہر موڑ پر تمہارے ساتھ کھڑی تھی۔ یہاں تک کہ جب تم اپنے بابا سے فرار ہونے کے لیے یہاں آئی تھی تب بھی وہ تمہارے ہمراہ تھی۔ تمہاری آن لائن اچھی نوکری ہے۔ تمہارے پاس تحقیق کرنے کی ذہانت ہے، تمہارے پاس ہم دوست ہیں اور اب دنیا تمہاری منتظر ہے۔ انسان اکثر اوکات خود کو کم تر سمجھتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تم بھی دکھاؤ گی اور کامیاب بھی ہو گی۔'

مشی کے ہاتھ میں پیالا اب بھی موجود تھا، لیکن اب اس میں سے وہ چمچ لے رہی تھی۔ وہ شفایابی کی طرف وہ قدم اُٹھا رہی تھی جسے ربیعہ نے ننھا قدم قرار دیا تھا۔

★★★★★★★★

ربیعہ زری کے بستر پر سو رہی تھی۔ مشی نے اسے ہلاتے ہوئے جگایا۔

"صبح بخیر ربیعہ۔" ہمیں آج شام 5 بجے تک نکلنا ہے۔ میں نے ناشتہ تیار کر لیا

ہے، چلو اٹھو ناشتہ کرلیں۔

"ربیعہ نے مسکراتا چہرہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولیں۔ مشی بدل رہی تھی، یا کم از کم وہ بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد، ربیعہ دانت صاف کر رہی تھی جب اسے آئینے میں مشی کا عکس نظر آیا۔

"شہریار کہاں ہے اور میں نے فائق کو ایئرپورٹ کے بعد نہیں دیکھا؟"

"فائق کسی کام سے واپس اسلام آباد گیا تھا اور ادھر سے ہی ساتھ جائے گا۔ شہریار گاڑی لا رہا رینٹ کر کے تاکہ ایرپورٹ جا سکیں۔"

ناشتہ شاندار نہیں تھا، لیکن اسے بہترین بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ربیعہ نے باخوشی مشی کے ساتھ ناشتہ کیا، اور اب وہ اپنی پیکنگ کے لیے تیار تھیں۔

شہریار رینٹ کردہ جیپ سے اتر رہا تھا جب مشی اپنے ہمسایوں کو الوداع کہنے جا رہی تھی۔

پچھلے چار سالوں سے مشی اس جگہ کرائے پر رہ رہی تھی۔الوداع کہنا ہمیشہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔لوگوں کو کھونا مشکل ہوتا ہے، لیکن بازاوقات چیزوں کو چھوڑنا اس سے بھی مشکل۔

انسانوں اور اشیاء کے درمیان ایک بانڈ موجود ہے، جو خاموشی سے بن بتائے بن جاتا ہے لیکن ٹوٹتا دھماکہ کے ساتھ ہے۔

دکھ، تکلیف اور نقصان کے دھماکہ کے ساتھ۔اور نقصان ہمیشہ تکلیف دیتا ہے، چاہے وہ کسی عزیز کا کھو جانا ہو یا اس جگہ کا جدھر آپ نے یادوں کا محل کھڑا کیا ہو۔ مشی کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا جب وہ اپنے ہمسایوں کے گھر میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم، انکل شاہد،" مشی کی آواز کانپ اٹھی جب اس نے سلام کیا،

"وعلیکم السلام، میری بیٹی" انہوں نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس محبت کا اظہار کیا کرتے تھے جو اس کے اپنے والد نے کبھی نہ کی۔

شاہد خان وادی پھنڈر کے ایک زمیندار تھے اور فرید خان (ریسٹورنٹ مالک) کے کزن تھے۔ شاہد خان نے مشی اور زری کی رہائش میں مدد کی جب فرید خان نے ان کی رہائش کا بندوبست کرنے کی درخواست کی۔ شاہد خان نے انہیں وہ پناہ دی جو ایک والد کا فرض ہوتا ہے۔ ان کی ذاتی زندگی میں مداخلت کیے بغیر انہیں تحفظ فراہم کیا۔

شاہد خان کچھ گفتگو میں مشغول ہونا چاہتے تھے، لیکن بات شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی جب مشی نے اپنے کیبن کی چابیاں ان کے حوالے کیں۔

"میں جرمنی جا رہی ہوں اور نہیں جانتی کہ میں کب واپس آؤں گی۔ یہ آپکی امانت ہے اور ہمیشہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

شاہد انکل اس کے اچانک چلے جانے کے صدمے میں تھے لیکن اس کے فیصلے پر اعتراض کا ارادہ ہر گز نہیں رکھتے تھے۔ مشی نے بات جاری رکھی۔

"آپ نے مجھے اپنا کیبن محفوظ رکھنے کے لیے سونپا؛ آج میں آپ کو اپنا

SUV ٹرک دے رہی ہوں، جو مجھے اپنے کام کے لیے ملا تھا، اگر میں لوٹ آئی تو میں اسے آپ سے لے لوں گی۔ آکر نہ آئی تو اسے آپ اپنے لیے اور بچوں کے سکول کے لیئے استعمال کریں تا کہ وہ ان دشوار علاقوں میں آسانی سے سکول سے آ جا سکیں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، اس لیے مجھے ابھی اجازت دیں۔ آپ کی تمام محبتوں اور تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ اگر زندگی نے اجازت دی تو ہم دوبارہ ملیں گے۔ اللہ حافظ !" مشی نے ان کے گھر سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

شاہد انکل خیران تھے مگر اپنی فطرت کے مطابق کوئی سوال نہ کیا۔ اس کے جاتے قدموں کو دیکھتے انھوں نے صرف اتنا کہا،

"فی امان اللہ"

★★★★★★★★

لاؤٹر برونن نے زری کا شاندار نظاروں سے استقبال کیا۔ یہ چھوٹا سا شہر بالکل ویسا ہی تھا جیسا سب سوئٹزرلینڈ کے بارے میں سوچتے ہیں۔ یہ پتھریلے پہاڑوں کے وسط میں بسی ہوئی ایک تنگ گلی نما پٹی میں بسا شہر ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے پتھریلے

پہاڑوں کو کاٹ کر اس تنگ مگر خوبصورت پٹی کو تخلیق کیا جسے لاؤٹر برونن کہتے ہیں۔

کیا ایسا ممکن ہے کہ زری شہر میں موجود ہو اور خطرہ موڑ لینے والے کام نہ کرے؟ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا تیار کردہ منصوبہ پڑھ کر سب کو گھبراتی، بیکی نے اپنی رائے پیش کی۔

"آیئے اپنے دن کا آغاز ایک پر سکون کیبل کار کی سواری سے کریں۔۔

جیمز نے اتفاق کرتے ہوئے کہا، "یہ شروعات بے شک زبردست ہو گی۔"

"لو جی، ہو گیا ان بڈھے بڈھیا کا ڈرامہ شروع" زری نے منہ میں تبصرہ کیا۔

جیمز نے گاڑی کے پہیوں کا روح ایک پلازہ کی طرف موڑا جس پر پارکنگ کا نشان موجود تھا۔ یہ جگہ گاڑی جمع کروانے کی تھی، جو اشارہ تھا کہ وہاں سے اگلا سفر دو پیروں کی سواری پر ہو گا۔

زری گاڑی سے باہر نکلی تو اس کے بال ٹھنڈی ہوا میں جھومنے لگے۔ آج سورج اپنی دھوپ سے موسم اچھا بنا رہا تھا، اور ہوا میں خشگوار تازگی تھی۔

وہ دریا کے کنارے لکڑی کے بنے مکانات کی تعریف کرتے، گاؤں میں گھومتے رہے۔ گول اینٹوں کے پتھروں سے بنی تنگ گلیاں اور ڈھلوان چھتوں والے مکانات بہت دلکش تھے۔ گھومتے گھماتے زری کی نظر ایک سائن بورڈ پر پڑی جس پر کیبل کار کا نشان واضح تھا جس سے اسے معلوم ہو گیا کہ اس بار کوئی گاڑی کیوں نہ بیجھی گئی۔ گاؤں کا مرکز ایک چھوٹا لیکن قیمتی زمین کا ٹکڑا تھا جو ادکٹے پتھریلے پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔

ایک مشہور مقام ہونے کے باوجود، انہیں کیبل کار پر چڑھنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ سواری کے دوران مناظر دم بخود کر دینے والے تھے۔

کیبل کار انہیں پہاڑ کی چوٹی پر لے گئی، جہاں ان کے پاس کئی دلچسپ آپشنز تھے۔ ان میں سے ایک مشہور مقام '' گرٹسچلپ - Grütschalp '' تھا۔ یہیں زری کی ایڈونچر س روح جاگی۔

"بس بہت ہو گیا۔ بہت اُٹھا لیے یہ بوڑھوں والے قدم۔ایک دلچسپ تجربے کے لیے تیار ہو جاؤ میرے پیارے ساتھیو،" زری نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

جیمز نے بیکی کے چہرے پر فکر مندی دیکھی۔وہ جانتی تھی کہ کچھ عجیب ہونے والا ہے۔

"چلو زری بتاؤ، آج ہم کیسے مرنے والے ہیں؟" بیکی نے بے چینی سے پوچھا۔

اگرچہ انہوں نے زری کے ساتھ سفر کیا، لیکن وہ واحد تھی جس نے پیراگلائیڈنگ اور کیمپنگ جیسی مہم جوئی کی کوشش کی۔وہ دونوں بنیادی طور پر کیمرے کے کام اور ملک بھر میں گاڑی چلانے کے لیے معاون تھیں۔

زری نے پرجوش انداز میں جواب دیا،"ہم چٹان میں نصب اسٹیل کے پیڈلوں پر چلنے جا رہے ہیں، لیکن اس سے پہلے..."

"اس سے پہلے گڈ بائے۔ جیمز کی زندگی تمہارے لیے کافی ہو گی۔امید کرتی ہوں دوبارہ ملاقات کفن میں نہ ہو، مزے کرو!"۔ زری کی بات بیکی نے فوراً کاٹی۔

زری اور جیمز کی طرف سے قہقہہ گونج اُٹھا جو بیکی ساتھ پرینک کر رہے تھے۔ یہ واضح تھا کہ ہمیشہ کی طرح صرف زری ہی اس سنسنی کو اپنائے گی۔ Grütschalp بلاشبہ خوبصورت تھا، لیکن جس چیز نے اسے واقعی خاص بنایا وہ ٹرین کی سواری تھی جو اس کی مخالف سمت میں واقع علاقے 'مرین' کے طرف چلتی تھی۔ یہ ایک خوبصورت سفر تھا جہاں قدرت کی خوبصورتی پوری شان سے دکھائی دے رہی تھی۔ دونوں اطرف میں سرسبز و شاداب پہاڑ تھے جن کے کنارے پتھریلے تھے اور بہت نیچے ایک دلکش گاؤں آباد تھا۔ یہ سفر ان میں سے ہے جو زیادہ تر لوگ زندگی میں محض ایک بار ہی کر پاتے ہیں لیکن زری کے لیے یہ سفر زندگی کا آخری سفر بننے جا رہا تھا۔

★★★★★★★★

"جانے کے لیے تیار ہو؟" شہریار نے مشی کے گھر واپس آتے ہی پوچھا۔

"ہاں، بس بیگز نکال لیں باہر، تم گاڑی سٹارٹ کرو۔

شہریار ڈرائیونگ سیٹ بیٹھا پر جبکہ ربیعہ اور مشی پیچھے بیٹھ گئیں۔

میں دیکھ رہا ہوں، جب سے تم لوگ ملے ہو۔ مجھے ملازم بنا کر رکھ دیا، شہریار نے ہنسی بھرے انداز میں شکایت کی۔

دیکھتے جاؤ۔ سالی ہے، شادی کی رسموں میں ڈسکاؤنٹ ملے گا۔ ربیا نے جتاتے کہا۔

اسی خوشگوار قہقے سے انہوں نے گلگت ائیرپورٹ کا سفر شروع کیا اور پانچ گھنٹوں کا سفر پانچ سالوں میں تبدیل ہو گیا۔ ربیعہ مشی کو تسلی دینے کے لیے تیار تھی جب وہ آہستہ آہستہ اس پر کھلنے لگی۔ اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے۔ یہ وقت سب کچھ بتانے کا تھا، جس میں کچھ نہ چھوڑا گیا۔

★★★★★★★★

27 جنوری 2018، اسلام آباد

سالگرہ کی تقریبات زور و شور سے جاری تھیں جب سفید سنیکرز میدان میں اترے۔ کرسی کو اپنے جوتوں سے دھکیلتے زری نے کیک کا بڑا ٹکڑا مشی کے چہرے پر دے مارا۔

یونیورسٹی کے دنوں میں ان دونوں دوستوں کے درمیان ایسی حرکات عام تھیں۔ وہ F7، اسلام آباد کے ایک مشہور ہینگ آوٹ اسپاٹ 'ایم این کیفے' میں یہ واقع سرانجام دے رہی تھیں۔ اسے لڑکیوں کی جنت بھی کہا جاتا ہے جس کی وجہ داخل ہوتے ہی معلوم ہو جاتی۔ کیفے کا انٹیریر حقیقی زندگی کی باربی کی دنیا کی طرز پر کیا گیا تھا۔

ان کی سالگرہ کی تقریب / سمیش پارٹی" کے نتائج کچھ ایسے نکلے جس سے معاملہ انتظامیہ تک پہنچ گیا۔ دوسروں کی پرائیویسی کا خیال نہ کرتے ویڈیوز ریکارڈ کرنا، عوامی جگہ کو اپنی ذاتی hangout کی جگہ سمجھنا، ضرورت سے زیادہ شور، یہ وہ کچھ وجوہات تھی جن کی بنیاد پر ان کو ادھر سے نکالا گیا اور خوب بے عزتی بھی کروائی۔

سرک کے کنارے چلتے، کیک سے لت پت منہ خاصے خوفناک تھے۔ زری کے گال پر لگا سٹرابیری کا پیس زینہ نے ناک پر رکھ دیا۔ جسے دیکھتے بچے رکھ کر تصاویر بنانے لگے۔ پاس کھری مشی، زینا اور ربیہ کے چہرہ بھی جوکر سے کم نہ تھے۔

خاصہ وقت ٹہلنے کے بعد انہوں نے دیکھا، رات کے 9:45 ہو رہے ہیں۔ نسٹ

یونیورسٹی کے ہاسٹلز میں رہنے والی طلبات کی پھرتیوں میں اضافہ ہوا۔ہاسٹل لڑکیوں کے لیے رات 10:00 بجے بند ہو رہا تھااور وہ سرک کنارے اوبر کا انتظار کر رہیں تھیں۔

جیسے تیسے کرتے وہ اندھر داخل تو ہو گئی۔ لیکن سب سے بڑا مسلہ ابھی باقی تھا۔ گلز ہاستل میں الگ سے چار دیواری تھی جدھر وہ پہلے ہی دع بار پکڑی جا چکی تھیں۔اس باران کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا۔

رات کے اس پہر، چار لڑکیاں۔۔ چہروں، گردنوں اور کپڑوں پر کیک لپکائے، ہاسٹل کی دیوار پر نمودار ہوئ جدھر وہ سب رہائش پزیر تھیں۔ زری اور مشی روم میٹ تھیں، جبکہ ربیعہ اور زینہ دوسرا کمرہ شیئر کرتی تھیں۔اس دیر سے ہاسٹل میں داخل ہونے کا واحد راستہ دیوار سے پھیلانگنا تھا،اور متوقع طور پر، زری اس کے لئے پوری تیار تھی۔

ربیعہ نے دیوار پھیلا گنے کا منصوبہ تجویز کیا۔ مشی کیک میں لپٹے چہرہ کے ساتھ، صرف سر ہلاتے ہی ہاں میں ہاں ملا سکی۔ چند منٹوں کے بعد وہ سب بری طرح

گرنے کے بعد اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

مشی کو کمر کے نچلے حصے میں درد اُٹھا، جو ربیعہ کے کاندھوں سے، درمیانی سطح سے گری.

زری کے کندھے پر چوٹ لگی, جو مشی کے کاندھوں سے، اونچی سطح سے گری۔ زینہ جو سب سے چھوٹی اور ہلکی تھی، زری کے کاندھے سے، دیوار کی سطح سے گری۔ ربعیہ، جو زمین پر ہونے کے باعث محض لڑکھڑائی تھی، بے ضرر تھی،۔ وہ جلدی سے زینہ کی مدد کو بھاگی۔

"ہائے اللہ !، مار ڈالا مجھے کمینیو، مر گئی میں تو۔ بیڑا گرق ہو تم لوگوں کا۔ میں کوئ چیونٹی تو نہیں جو کچل ہی ڈالا۔ مجھے پکا یقین ہے کہ میری سپر ماڈلز جیسی ہڈیاں بھی ٹوٹ گئیں ہو گیں۔ اوہ، بہت درد ہوتا ہے منحوسو۔ کچھ کرو، میں مرنے والی ہوں، مجھے ایسے حلیے میں نہیں مرنا۔ میری مدد کرو، احمقو!"

غیر متوقہ طور پر سب ہنس پڑیں کیونکہ وہ اسے اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ ایک

ڈرامہ کوئین ہے۔ قد میں چھوٹی لیکن اداکاری میں سب سے اونچی۔

ان کے قہقہہ نے نہ صرف انہیں بے نقاب کیا بلکہ کچھ لڑکوں پر بھی توجہ مبذول کرائی جو اسی کرتب کی کوشش بوائز ہاستل کی طرف کررہے تھے۔ اگلے دن شہریار اور فارس نے خود کو ربعیہ، زری، مشی اور زینہ کے ساتھ ایک ہی قطار میں پایا، ان سب کو اس مہینے میں تیسری بار کرفیو توڑنے کے نتائج کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ عموماً والدین کو بتایا جاتا اور محض 1,000 روپے جرمانہ عائد کیا جاتا، لیکن اس بار سزا، ہاسٹل سے نکالنا تھی۔ خیر انکن بات یہ ہے کہ وہ دن تمام کرفیو توڑنے والوں کے درمیان گہری دوستی کی وجہ آغاز بنا۔

★★★★★★★★

اگلے دن، باقی سب کی طرح اس سمسٹر کے لیے مشی اپنی ہاسٹل کی زندگی کو الوداع کرتے اپنے گھر روانہ ہوئی۔

وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی اور زندگی کی تمام آسائشوں سے مالامال تھی۔
تاہم، اس کے پاس جس چیز کی کمی تھی وہ محبت کا جزبہ تھا۔ اس کا گھر وسیع تھا، لیکن

اس کے باوجود اس کے والدین کے درمیان مسلسل بحث گھر کے ہر کونے سے سنائی دیتی۔

مشی نے کبھی بھی اپنے والدین سے انسیت محسوس ہی نہیں کی۔اس کی پرورش بنیادی طور پر اس کی عمر رسیدہ نینی، عنایہ نے کی۔وہی اس کی زندگی کی سب سے اہم شخصیت بھی تھیں۔اکثر مشی اپنی نینی کے کمرے میں سوتے پائی جاتی۔

اس کے والد کا وسیع وعریض کاروں کا کاروبار تھا اور والدہ کی اعلیٰ درجے کی فیشن برینڈ تھی۔دونوں والدین کی بنیادی ترجیحات ان کے ملحقہ کاروبار تھے جو مشی چھوٹی ہی عمر میں سمجھ چکی تھی۔یہی وجہ تھی جو اس لائف سٹائل کے باوجود اس نے ہاسٹل کی زندگی کو ترجیح دی۔

★★★★★★★★

400سے زائد اقسام کے پرندوں کے گھر کا شہر، اسلام آباد۔صبح کو پرندوں کی میٹھی چہچہاہٹ سے استقبال کر رہا تھا۔

نینی نے آہستہ سے پردے پیچھے ہٹائے، جس سے سورج کی گرم روشنی کمرے میں

پھیل گئی۔ مشی نے کھڑکی کے سامنے شاندار ناشتے کا لطف اٹھایا۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ وقت گزارنا پسند نہیں کرتی تھی، اس لیے وہ عموماً اپنے کمرے میں اپنی نینی کے ساتھ اکیلے ناشتہ کرتی تھی۔ پرندوں کی آواز سنتے ساتھ چائے کا گھونٹ پیتے، اس کے دن کا پرامن آغاز ہوا کرتا تھا۔

اس کی نظریں کھڑکی سے باہر اپنے گھر کے باغیچے میں ایک چھوٹے سے درخت کی طرف گئی جو بالکل کھڑکی کے سامنے موجود تھا۔ دو چھوٹے سفید طوطے وہاں بیٹھے ہوئے، کچھ دلفریب لمحات بانٹ رہے تھے۔ اس منظر نے اس کے دل کو سکون فراہم کیا، کیونکہ یہ اس لڑائی، جھگڑے کے بالکل برعکس تھا جو اس نے اپنے والدین کے درمیان ساری زندگی دیکھا۔ کم از کم ان پرندوں کی صحبت میں، ہم باہمی محبت اور ہم آہنگی تھی- جو انسان مشکل ہی حاصل کر پاتے ہیں۔

جیسے ہی سنہری آسمان میں سورج افق کو پہنچا، مشی یونیورسٹی جانے کے روانہ ہوئی۔ اس کے ڈرائیور نے یونیورسٹی کے گیٹ پر اتارا جہاں زری، اپنے ٹریڈ مارک سفید سنیکرز پہنے، منہ میں گم چباتے، انتظار کر رہی تھی۔ ان کا پہلا سٹاپ ہمیشہ مارگلہ

کیفے ہوتا تھا جو SADA بلاک پارکنگ ایریا کے دوسری سمت میں واقع تھا۔ زری اسی بلاک سے آرکیٹیکچر کی ڈگری کر رہی تھی۔

یہ کھلی فضا میں چھوٹا سا سبز کنٹینر کیفے، NUST کی جان کہلاتا تھا۔ زندگی سے بھرپور یہ مرکز، کلاس سے پہلے ایک مقبول گپ شپ اور ملاقات کا اڈا ہوتا۔ اس دن وہ کچھ شناسا چہروں، شہریار اور فارس سے ملنے والی تھیں۔

کچھ کے لیے یہ ان کی دوسری ملاقات تھی، لیکن سب کے لیے ہر گز نہیں۔ شہریار اور ربیعہ برسوں سے دوست تھے۔ البتہ اسلام آباد میں مقیم بہت سے لوگوں کی طرح فارس کا تعلق چھوٹے شہر سے تھا۔ زری کے علاوہ، سب اپنی کلاس کے لیے این بی ایس بلاک کی طرف چل پڑے جبکہ زری اسی ساڈا بلاک میں داخل ہو گئ۔

مشی زینہ کی کہنی ٹٹول رہی تھی جب زینہ نے جمائ لیتے اچانک آنکھ کھولی۔ اس کی پلکیں اُٹھیں اور منظر دیکھتے ہی جھک گئ۔

پوری کلاس اس پر ہنس رہی تھی جسے ابھی احساس ہوا تھا کہ وہ لیکچر کے دوران سو

گئی تھی۔ فارس نے اس کی طرف اشارہ کر کہ توجہ مرکوز کروائی تھی۔

کون نہیں سوئے گا جب موضوع ہی صدیوں پرانا ہو گا؟" زینہ نے سرگوشی کی۔

پروفیسر قدیم تہذیبوں جیسے مصری، چینی، وادی سندھ اور میسوپوٹیمیا کی تہذیبوں کے بارے میں پڑھا رہے تھے۔

"مس زینہ، اگر آپ اپنی نیند پوری کر چکی ہیں، تو کیا آپ براہ کرم اس کی وضاحت کر سکتی ہیں کہ وادی سندھ کے لوگ کیسے رہتے تھے؟"

"کس کو پرواہ ہے کہ وہ سڑکوں پر رہتے تھے یا محلوں میں،" اس نے سرگوشی کی اور پھر جواب دیا، "وادی سندھ کی تہذیب بہت جدید تھی، وہ ہمارے جیسے کپڑے پہنتے تھے اور اسی طرح ماڈرن زندگی گزارتے تھے۔"

"یہی؟"

"غریب ہونے کے باوجود وہ خوش تھے۔"

"اور؟"

"اور وہ مٹی کے گھروں میں رہتے تھے، لیکن صاف تھے۔"

"اور؟"

"اور ان کے پاس تاریخ کے سب سے بہترین بادشاہ تھے۔" اس نے اب لرزتی آواز میں جواب دیا۔

"بالکل، ہم نے آج کچھ بہت اچھا سبق سیکھا ہے۔ وادی سندھ کے لوگ جدید طرز کے کپڑے پہنتے تھے کیانکہ مس زینہ ان کو نومی انصاری کا کلیکشن ڈیلیور کرتی تھیں۔ وہ مٹی کے گھروں میں رہتے تھے کیونکہ مس زینہ انکی اینٹیں چڑالائ تھی جو وہ 5000 سال پہلے بیک کرتے تھے۔ ان کے بہترین بادشاہ تھے، یہ انکشاف صرف انہیں معلوم کیونکہ یہ تب کی ملکہ ٹھری۔ ہم آج تک ہم ویسے ہی ان کے گورنمنٹ کے نظاپ کو نہ سمجب سکے۔"

زینہ کا چہرہ سرخ پر گیا۔ پوری کلاس میں قہقہہ گونج اٹھا۔ پروفیسر نے بات جاری

رکھی،

"مس زینہ، میرے خیال میں آپ کو ایک خیالی کتاب لکھنے پر غور کرنا چاہیے کیونکہ آپ کا تخیل حقیقت سے کہیں زیادہ کہانیاں تخلیق کرتا ہے۔ وادی سندھ کے لوگ ایسے کپڑے پہنتے تھے جو اپنے زمانے میں تو 'جدید' سمجھے جا سکتے تھے، لیکن آج کے فیشن کے لحاظ سے قطعاً نہیں۔ ان کے پاس نکاسی کا نظام، مختلف استعمال کے لیے معدنیات، اور گھر بنانے کے لیے پکی ہوئی اینٹیں بھی تھیں۔ کوئی گورنمنٹ نظام واضح نہیں کیا نکہ ادھر کوئی ایسی منفرد عمارت نہیں۔"

بیل بجھتے ہی پروفیسر نے کلاس کے اختتام کا اشارہ دیتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا تو زینہ نے اپنی سانسیں سنبھالیں۔ "مشعل اور زینہ، آپ اگلے ہفتے ہمارے گیسٹ کے سامنے یہ پریزنٹیشن پیش کریں گی۔ الوداع!

"تمہارا ستیاناس ہو زینہ، تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے ڈوبی" میشی چیخی۔

"اس منحوس فارس نے مجھے مار ڈالا۔ میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔ سمجھتا کیا ہے خود کو یہ؟" زینہ نے وضاحت دینا چاہی۔

"جو بھی ہو، بس یہ نوٹس لو اور پلیز اس بار چیزوں کو گڑبڑ نہ کرنا۔" مشی نے مایوسی سے نوٹس حوالے کرتے ہوئے کہا۔

مشی کو اپنے والد کا فون آیا—وہ کال جس کے الفاظ سننے سے پہلے ہر کسی کا دل کانپ جاتا ہے۔

"تمہاری والدہ کا انتقال ہو گیا مشعل۔"

فون کی دوسری جانب سے آتی آواز نے اسے جیسے برف کا مجسمہ بنا دیا۔ ساکن۔

زینہ نے اپنے ہاتھ بڑھا کر نوٹس کو تھامنا چاہا۔ لیکن اب وہ زمین پر پھیل چکے تھے۔

نازک برف ٹوٹ چکی تھی جس کی آواز زینہ نے سنی۔ جب مڑ کر اوپر دیکھا تو مشی گیٹ کی طرف تیزی سے جا رہی تھی۔ فون اب بھی نوٹس کے پاس پڑا تھا اور کال جاری تھی۔

آج وہ عالیشان محل افسردہ تھا۔ماں کی اہمیت اور تعلق اس پر آج بے نقاب ہوا تھا۔ لیکن افسوس کہ یہ تب تھا جب اس کی ماں وہاں پہنچ چکی تھی جدھر سے کوئی نہیں لوٹتا۔

داخلی دروازہ کے بغل میں اس کے والد کھڑے تھے، ہاتھوں میں سیل فون لیے، رشتہ داروں کو پیغام دیتے ہوئے۔افسردہ چہرہ۔

اس نے اندھر قدم رکھا اور پوری قوت سے باپ کے سینے ساتھ لگ گئی۔آج اس نے وہ قسم بھی توردی جو اس نے برسوں پہلے خود کو دی تھی، اس خولناک واقعہ کے سبب تور ڈالی۔

مشی نینی کے پاس آئی جو خاموشی سے بے جان جسم کے ساتھ سوگ میں تھیں۔ مشی نے اپنی ماں کا چہرہ دیکھنے کے لیے آگے قدم بڑھیا لیکن ٹھٹک کر مڑی۔

اس کی ماں کا چمکتا چہرہ آج پیلا پڑ چکا تھا۔ گردن پر زخموں کے نشان بھی واضح تھے۔اس کی وہ ماں جو بہت سے لوگوں کے لیے بہادری کی مثال تھی، آج وہ اس

حال میں کیسے تھی؟ان زخموں کا زمہ دار کون ہو سکتا۔

وہ زخموں کو دیکھتے سوچوں کی کہکشاں میں گم ہو رہی تھی۔جدھر اس کی ماں کی چیخوں کی آوازیں اور باپ سے نہ ختم ہونے والے جگڑے تھے۔

وہ خود کو ڈوبتا محسوس کر رہی تھی۔

خیالات کی کہکشاں میں ڈوبتا۔

اپنی ماں کی موت، قتل کے خیال سے

اپنی ماں مقتول،اور باپ قاتل کے خیال سے

★★★★★★★★★

اگلا باب: پا یامِ رستم تنہائی